مولانا آزاد لائبریری

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ڈاکٹر رام بابو سکسینہ کلکشن
(عطیہ: مسز آفتاب سکسینہ)

1185

بشیر پاشا سیریز

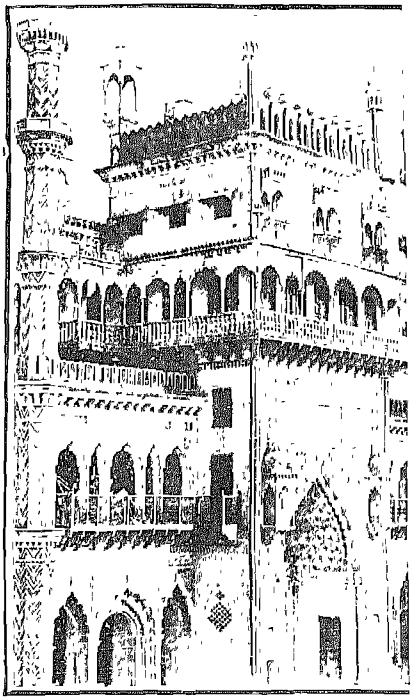

تذکرہ
شمس العلما خواجہ حالی مرحوم

مرتبہ

محمد امین زبیری

اسلامیہ ہائی اسکول (اٹاوہ)

Title and inside Blocks printed by Taj Printing Works Fort Bombay

M.A.LIBRARY, A.M.U.

U32709

۳۲۷۰۹

CHECKED-2002

معنون

۲۰۹

میں اس سلسلہ کو اپنے شاگرد رشید جوان مرگ بشیر پاشا مرحوم بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ کے نام سے معنون کرتا ہوں۔ جس کی زندگی اور جس کی تعلیم و تربیت کا مقصد قوم کی تعلیمی خدمت تھی اور جس نے تکمیل تعلیم کر کے اپنی زندگی کو اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کے لئے وقف کر دیا تھا۔

محمد الطاف حسین

تذکرۃ المشاہیر

نوجوانان قوم میں ملک اور قوم کی خدمتوں کا جذبہ پیدا کرنے اور ان کے حوصلہ بڑھانیکے لئے ان مشاہیر قوم کی سوانح عمریوں کا مطالعہ جنہوں نے اپنے ملک اور اپنی قوم کی ترقیوں میں جانفشانیاں کی ہیں نہایت موثر ذریعہ ہے اور ہر ملک اور ہر قوم میں اس ذریعہ سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے عظیم الرجال کی بڑی بڑی سوانح عمریوں کے علاوہ خوشنما سائز اور عمدہ طباعت کے ساتھ کم قیمت لائف اسکیچ بکثرت شایع کئے جاتے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں مسلمانوں نے اس ذریعہ پر کچھ توجہ نہیں کی حالانکہ دوسری قومیں اسی ذریعہ سے بہت کچھ منافع حاصل کر رہی ہیں اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر میں نے اور مولوی بشیر الدین صاحب منیجر اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ نے ارادہ کیا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس عصر جدید میں جن مشاہیر نے اپنی عمریں قومی خدمت اور ہمدردی میں صرف کی ہیں ان کے لائف اسکیچ شائع کئے جائیں۔ چنانچہ اس وقت اس سلسلہ کے چند نمبر شایع کئے جاتے ہیں اور میں ان عزیزوں اور دوستوں کا شکر گزار ہوں جنھوں نے ہماری دلی خواہش کی تکمیل اپنا وقت صرف کرکے اور محنت اٹھا کر ان تذکروں کو مرتب کیا ہے خداوند تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور ہم کو اپنے ارادہ میں کامیاب کرے۔

میں اپنے پرجوش نوجوان دوست سید عبد الجلیل صاحب کا جو بمبئی میں فن طباعت کی تکمیل کر رہے ہیں خاص طور پر شکر گزار ہوں کہ انھوں نے نہایت تنگ وقت میں تصاویر کے ایسے اچھے اور عمدہ بلاک خود تیار کرکے بطور امداد عنایت کئے اور اپنی نگرانی میں ان کو طبع کرایا۔

میں اپنے اہل قلم نوجوانان قوم سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ اس قومی خدمت میں ہماری مدد کرکے عند اللہ ماجور ہوں۔ اس سلسلہ کی اشاعت سے اگر کچھ فائدہ ہوا تو وہی سلسلہ کی توسیع میں صرف ہوگا۔

محمد الیاس حسین بی اے۔
ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول

(شمسی مشین پریس آگرہ میں محمد بشیر الدین خان کے اہتمام سے چھاپا گیا)

شمس العلماء خواجہ حافظ الطاف حسین صاحب[ف۱] حالی

(۱)

مولانا حالی پانی پت کے ایک مشہور عالی نسب انصاری خاندان کے رکن اور خواجہ ایزد بخش کے فرزند اصغر تھے۔

ان کی ولادت سنہ ۱۲۵۳ھ میں ہوئی تھی اور ہنوز ۹ سال کی عمر بھی پوری نہ کی تھی کہ پہلے باپ کے ظل عاطفت سے اور پھر ماں کی آغوش شفقت سے محروم ہو گئے۔ لیکن ان کے بڑے بھائی خواجہ امداد حسین نے باپ سے زیادہ شفقت کے ساتھ ان کی پرورش کی اور تعلیم و تربیت پر توجہ رکھی۔ سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کرایا گیا اور پھر درسی کتابیں شروع ہوئیں۔

مولانا نے فارسی کی تعلیم سید جعفر علی صاحب سے حاصل کی جو میر ممنون دہلوی کے بھتیجے تھے اور فارسی میں استادانہ دستگاہ اور مہارت تامہ رکھتے تھے۔ تعلیم مذہبی اور عربی کی تکمیل مولوی حاجی ابراہیم حسین

[ف۱] میں مولوی عبدالرزاق صاحب مصنف تاریخ تمدن اسلام بھوپال و مصنف البرامکہ و نظام الملک طوسی کا بے انتہا شکرگذار ہوں کہ جناب موصوف نے متعدد و عجیب واقعات لکھوا کر تذکرہ کی تکمیل میں امداد دی تھی

صاحب انصاری اور حاجی قاری مولوی عبدالرحمان صاحب انصاری سے کی قاری صاحب جیّد عالم اور محدث تھے اور قرآن مجید کا خاص طور پر درس دیتے تھے۔

۱۷ سال کی عمر میں مولانا کی شادی اپنے کنبے قبیلے میں ہو گئی یہ حسن اتفاق تھا کہ سُسرال کی خوشحالی کے باعث متاہلانہ زندگی کے تردّدات سے ان کو سابقہ نہیں پڑا اور اُن کی تعلیم کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اسی سلسلہ میں کچھ عرصہ دہلی میں بھی بسر کیا۔ دہلی مین اگرچہ مسلمانوں کی عظمت و شوکت اور علم و فضل کا آفتاب ڈوب چکا تھا تاہم شفق کی کچھ روشنی باقی تھی اور اہل علم و فضل اور صاحبانِ کمال کا مجمع موجود تھا مولانا نے اِن علماء و فضلا سے علمی استفادہ کیا۔

فطرت نے اُن کے خمیر میں اُن جوہروں کو بھی ودیعت کیا تھا جن سے السنان اصلی شاعر بنتا ہے لیکن اکتسابِ علوم کے زمانہ تک وہ جوہر مخفی رہے۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو باکمال اربابِ سخن کی صحبتوں نے ان جوہروں کو بھی چمکایا اور مشقِ سخن کا آغاز ہوا۔

اس کی نسبت خود مولانا نے کانپور میں مولوی عبدالرزاق صاحب سے فرمایا تھا کہ "قلعہ معلّٰے کے دیوان عام میں جو مشاعرہ ہوتا تھا وہاں میں نے

غالب کو فارسی اور اردو غزلیں پڑھتے سنا اس سے مجھے شاعری کا شوق ہوا۔"

لیکن یہ صحبتیں اکتساب معاش کی فکروں کی وجہ سے جلد ختم ہوگئیں اور مولانا ۱۸۵۶ء میں ضلع حصار میں ملازم ہوگئے جس کو ۱۸۵۷ء کی پریشانیوں میں ترک کرنا پڑا اور اس عام پریشانی اور دار و گیر کے چند سال منطق و فلسفہ اور حدیث و تفسیر کی تکمیل میں گزارے اس کے بعد انھوں نے نواب محمد مصطفیٰ خاں[۵۱] کے بچوں کی تعلیم اور اتالیقی منظور کی اور ۱۸۶۳ء سے ۱۸۶۹ء تک جہانگیر آباد میں قیام رہا۔ نواب صاحب کی صحبت میں شعر و سخن کی ابتدا ہوئی اور جو کچھ لکھا اُس پر نواب صاحب نے اصلاح دی۔ لیکن قیام جہانگیر آباد کے زمانہ میں ہی غالب سے تلمذ حاصل کیا اور مستقل طور سے ان سے اصلاح لینی شروع کی۔ مرزا غالب اپنے سرمایہ

---

[۵۱] دہلی کے رئیس اور جہانگیر آباد ضلع بلند شہر کے تعلقہ دار تھے۔ اردو میں شیفتہ اور فارسی میں حسرتی تخلص کرتے تھے۔ مفتی صدر الدین خاں آزردہ، نواب محمد ضیاء الدین خاں "نیر درخشاں" اور مرزا غالب کے ہم جلیس اور ہم صحبت تھے۔ واقعۂ غدر کے بعد دہلی کی سکونت ترک کر دی اور جہانگیر آباد میں رہتے تھے۔

خود شاگرد کی سخن فہمی، قابلیت علمی اور جودت و ذکاوت کی بہت قدر کرتے تھے اور شاگرد کے دل میں اپنے استاد کا انتہائی احترام اور شیفتگی و گرویدگی تھی۔ اور یہی اثر غالب[۹۱] کے مرثیہ میں سوز و گداز کی صورت میں نمایاں ہے۔

(۲)

جہانگیر آباد کی ملازمت ترک کرنے کے بعد گورنمنٹ پنجاب کے دارالکتب میں مامور ہو گئے جہاں یہ خدمت سپرد تھی کہ کتابوں کی عبارت زمانہ حال کے مذاق کے مطابق درست کریں لیکن اس زمانہ میں یہاں ایسی سوسائٹی نہ تھی کہ ان کا دل لگتا۔ دہلی کے ارباب کمال کی صحبتوں کی یاد ہمیشہ مضطرب رکھتی تھی اس لئے وہ پریشان رہتے تھے۔ آخر یہ پریشانی دور ہوئی اور پھر وہ اینگلو عربک اسکول دہلی کی مدرسی[۹۲] پر مامور ہو کر دہلی میں ہی آ گئے، مگر قسمت پھر لاہور لے گئی اور ایچیسن کالج میں متعین[۹۳] ہوئے۔ اب لاہور میں

---

[۹۱] غالب کے انتقال کے دن جو ۲۔ ذی قعدہ سنہ ۱۲۸۵ھ مطابق فروری سنہ ۱۸۶۹ء کو ہوا مولانا حالی۔ مرزا قربان علی بیگ سالک، میر مہدی مجروح تینوں شاگرد موجود تھے اور تجہیز و تکفین میں شریک ہوئے اور تینوں نے مرثیے بھی لکھے لیکن مولانا حالی کا مرثیہ بہت پردرد اور بلند ہے۔

ارباب کمال کی سوسائٹی بھی قایم ہو گئی تھی۔

مولانا کو مشق سخن شروع کرنے کے تھوڑے عرصہ بعد ہی صف شعرا میں امتیازی جگہ مل گئی تھی مگر جب کرنل ہالرائڈ ڈائرکٹر تعلیمات پنجاب نے لاہور میں ایک مجلس مشاعرہ قایم کی جس میں بجائے مصرعہ طرح کے کسی خاص عنوان پر شعرا کو طبع آزمائی کا موقع دیا جاتا تھا اور اس میں مولانا نے قدیم رنگ کو چھوڑ کر برکھارت، نشاط امید، مناظرہ رحم و انصاف، حب وطن کے نام سے جدید طرز کی نظمیں پیش کیں جو جذبات کا مرقع اور واردات حالیہ کا آیئنہ تھیں تو ان نظموں نے مولانا کا درجہ اپنے ہمعصروں سے بہت بلند کر دیا۔ لیکن رفعت و کمال کے یہ ابتدائی مدارج تھے۔ وہ جوہر جو قدرت نے ان کو عطا کئے تھے ابھی تک جلوہ گاہ عام پر نہ آئے تھے۔

(۴)

سنہ ۱۸۷۶ء کے بعد ان کی طبیعت پر ایک قسم کی افسردگی طاری ہو گئی تھی اور شعر و سخن سے دل پھیکا ہو گیا تھا ان کے دل پر سید کی ملاقات سے ایک عجیب اثر پڑا اور اسی اثر سے وہ جوہر اس طرح چمکے جیسے پردۂ شب سے آفتاب عالمتاب

نمایاں ہوتا ہے جس کا سب سے پہلا کرشمہ "مدوجزر اسلام" تھا جس نے حالی کے نام کا سکہ ہر ایک مسلمان کے دل پر قائم کر دیا۔

یہ مسدس ۱۸۷۹ء میں ختم ہوا اور مولانا نے خود ہی اُس کو طبع کرا کے سرسید کے پاس بھیجا۔ سرسید نے اسکی رسید میں جو خط مولانا کے نام بھیجا تھا جس کو اس مسدس کا تبصرہ اور مولانا کی محنت و جانکاہی کا ایک قابل قدر اعتراف کہا جا سکتا ہے وہ یہ تھا کہ:-

جناب مخدوم و مکرم من! عنایت نامہ جات مع پانچ جلد مسدس پہنچے جس وقت کتاب ہاتھ میں آئی جب تک ختم نہ ہوئی ہاتھ سے نہ چھوٹی اور جب ختم ہوئی تو افسوس ہوا کہ کیوں ختم ہو گئی اگر اس مسدس کی بدولت فن شاعری کی تاریخ جدید قرار دی جائے تو بالکل بجا ہے۔ کس صفائی اور خوبی سے یہ نظم تحریر ہوئی ہے بیان سے باہر ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ ایسا واقعی مضمون جو مبالغہ، جھوٹ، تشبیہات دور ازکار سے جو مایۂ ناز شعرا اور شاعری ہے بالکل مبّرا ہے۔ کیونکر ایسی خوبی و خوش بیانی اور موثر طریقہ پر ادا ہوا ہے۔ متعدد بند اس میں ایسے ہیں جو بے چشم نم پڑھے نہیں جا سکتے۔ حق ہے جو دل سے نکلتی ہے دل میں

بیٹھتی ہے۔ نثر بھی نہایت عمدہ اور نئے ڈھنگ کی ہے۔ پرانی شاعری کا خاکہ نہایت لطف سے اڑایا ہے یا ادا کیا ہے۔ میری نسبت جو اشارہ اس نثر میں ہے اس کا شکر کرتا ہوں اور آپ کی محبت کا اثر سمجھتا ہوں۔ اگر پرانی شاعری کی کچھ بو اُس میں پائی جاتی ہے تو صرف انہی الفاظ میں ہے جن میں میری طرف اشارہ ہے۔ بیشک میں اس کا محرک ہوا اور اس کو میں اپنے اُن اعمال حسنہ میں سے سمجھتا ہوں کہ جب خدا پوچھے گا کہ تو کیا لایا میں کہونگا کہ حالی سے مسدس لکھوا لایا ہون اور کچھ نہیں” خدا آپ کو جزائے خیر دے اور قوم کو اس سے فائدہ بخشے۔ مسجدون کے امامون کو چاہیئے کہ نمازون میں اور خطبون مین اسی کے بند پڑھا کرین۔ آپ نے کچھ نہیں ارقام فرمایا کہ کس قدر کتابین چھپی ہین اور کیا لاگت لگی ہے اور فی کتاب کیا قیمت مقرر کی ہے نہایت جلد آپ اِن جملہ امور سے مجھے مطلع فرمائیے یہ بھی لکھئے کہ بعد تقسیم یا فروخت کس قدر کتابین اب موجود ہین۔

آپ کے اس خیال کا کہ حقِ تصنیف مدرسۃ العلوم کو دیا جاوے اور رجسٹری کرا دی جاوے مین دل سے شکر کرتا ہون

مگر مین نہین چاہتا کہ اس مسدس کو جو قوم کے حال کا آئینہ اور ان کے ماتم کا مرثیہ ہے کسی قید سے مقید کیا جاوے جس قدر چھپے اور جس قدر وہ مشہور ہو اور لڑکے ڈنڈون پر گاتے پھرین اور رنڈیان مجلسون مین طبلہ سارنگی پر گاوین، قوال درگاہوں مین گاوین۔ حال لانے والے اس سچے حال پر حال لاوین اسی قدر مجھ کو زیادہ خوشی ہو گی۔ میرا تو دل چاہتا ہے کہ دہلی مین ایک مجلس کرون جس مین تمام اشراف ہون اور رنڈیان نچواؤن مگر وہ رنڈیان بھی مسدس گاتی ہون۔ مین اس کل مسدس کو تہذیب الاخلاق مین چھاپون گا۔ میرے ان استفسارات کا جواب جن پر نشان درج کر دیا ہے بہت جلد مرحمت ہو، والسلام۔

خاکسار آپ کا احسان مند تابعدار

سید احمد

شملہ۔ پارک ہوٹل۔ ۱۰ جون ۱۸۷۹ء

اس مسدس نے چند ہی سال کے اندر اطراف واکناف ملک مین وہ شہرت و قبولیت حاصل کی کہ آج تک ہندوستان مین کسی انسانی کتاب کو نصیب نہین ہوئی - مولود شریف کی مجلسوں مین جابجا اس کے بند پڑھے جاتے ہین - اور واعظون کی زبان پر اس کے اشعار جاری رہتے ہین اکثر لوگ اس کو پڑھ کر بے اختیار روتے اور آنسو بہاتے ہین تقریرون اور تحریرون مین اثر اور دلچسپی پیدا کرنے کے لیئے اس کے بند کے بند استعمال ہوتے ہین اور اس مین شک نہین کہ اس مسدس نے مسلمانون کے تاریک دل و دماغ کو منور کر دیا اُن کے مردہ احساسات مین روح پیدا ہو گئی اور خفتہ جذبات بیدار ہو گئے - گذشتہ اور موجودہ حالت کا مرقع سامنے رہنے لگا اور یہ حقیقت نفس الامری ہے کہ سرسید کے مشن کو اس "مد و جزر اسلام" نے وہ تقویت دی کہ اگر اس زمانہ کے تمام لٹریچر کیساتھ اس کا موازنہ کیا جائے تو اسی کا پلہ بھاری ہوگا -

اس مسدس نے اس طبقہ پر بھی اثر ڈالا جو سرسید سے وحشت کرتا تھا اور دور بھاگتا تھا یا جو مخالف تھا اور سرسید کی

کوششون کا ردِّعمل کرتا تھا۔

تقریباً نصف صدی گذرنے پر بھی اسکی قبولیت مین کوئی
فرق نہین آیا صدہا مرتبہ شایع ہوا اور ہنوز اشاعت کا
سلسلہ برابر جاری ہے[لہ]۔ بعض قومی مدارس مین اس کا انتخاب
بچون کو پڑھایا جاتا ہے۔ ممالک متحدہ کے سرکاری مدارس
مین عام قبولیت کی وجہ سے نصاب تعلیم مین داخل رہا۔

مولانا نے پھر چھ برس بعد مقتضائے حال کے موافق
ایک ضمیمہ کا اضافہ کیا جس مین مایوسی کی جگہ امید کی جھلک تھی

اس مسدس کی قبولیت طبقۂ وسطےٰ اور طبقۂ غربا ہی تک
نہین ہے بلکہ امرا کے محلون اور والیان ملک کے ایوانون
مین بھی اس کا نغمۂ پرسوز سامعہ نواز ہے۔ علیا حضرت نواب
سلطان جہان بیگم صاحبہ تاج ہند جی، سی، ایس، آئی،
جی، سی، آئی، ای، جی، بی، ای، فرمانروائے بھوپال نے

[لہ] سب سے اخیر اور نادر نسخہ وہ ہے جو منشی رحمت اللہ رعد مالک نامی پریس نے شایع کیا ہے اس میں فرہنگ کے علاوہ متعدد نقشہ جات ہین جو قابل دید ہین۔

تو اس مسدس کی وہ قدردانی[۵] کی ہے جسکی نظیر مشکل ہے ۔

غالباً ۱۹۱۱ء مین حضور ممدوحہ نے مندرجہ ذیل اشعار کی اپنے قلم مبارک سے آئل پینٹنگ کی نہایت اعلیٰ درجہ کی تصویر بنائی جو حضور ممدوحہ کے حسنِ مصوری کا بہترین نمونہ ہے ۔

---

[۵] حضور ممدوحہ کی قدرشناسی اسی پر ختم نہین ہوئی بلکہ ۱۹۱۶ء مین جب خواجہ سجاد حسین حالی میموریل اسکول کی امداد کے لئے بھوپال آئے اور ہر ہائینس سے ملاقات کی تو بہت سی باتین ہوئین سلسلہ گفتگو کو اس قدر طوالت ہوئی کہ خواجہ صاحب بخیال تصدیعہ اصل مقصد عرض نہ کر سکے ۔ جب رخصت کی اجازت چاہی تو حضور ممدوحہ نے ارشاد فرمایا کہ :-

"خواجہ صاحب جس مقصد سے کہ آپ نے بھوپال کا سفر کیا ہے ابھی اس پر تو گفتگو ہی نہین ہوئی ہین مولانا حالی مرحوم کی یادگار قایم کرنا ہر مسلمان کا فرض سمجھتی ہون ۔ مین نے اُن کی قومی نظمون کا مطالعہ کیا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ قومی اصلاح مین ان نظمون کا کیا اثر ہے ۔ مین ضرور اس میموریل مین مدد دون گی"

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آیندہ)

ملے کوئی ٹیلا اگر ایسا اونچا کہ آتی ہو وہان سے نظر ساری دنیا
چڑھے اس پہ پھر اک خردمند دانا کہ قدرت کے دنگل کا دیکھے تماشا
تو قومون مین فرق اس قدر پائیگا وہ
کہ عالم کو زیر و زبر پائیگا وہ

وہ دیکھے گا ہر سو ہزارون چمن وان بہت تازہ تر صورت باغ رضوان
بہت ان سے کمتر پہ سرسبز و خندان بہت خشک اور بے طراوت مگر ہان
نہین لائے گو برگ و باران کے پودے
نظر آتے ہین ہونہار ان کے پودے

پھر اک باغ دیکھے گا اجڑا سراسر جہان خاک اڑتی ہے ہر سو برابر
نہین تازگی کا کہین نام جس پر ہری ٹہنیان جھڑ گئین جسکی جل کر
نہین پھول پھل جس مین آنے کے قابل
ہوئے روکھ جس کے جلانے کے قابل

جہان زہر کا کام کرتا ہے باران جہان آ کے دیتا ہے رو ابر نیسان
تردد کو جو اور ہوتا ہے ویران نہین راس جس کو خزان اور بہاران
یہ آواز پیہم وہان آرہی ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱ - چنانچہ شام ہی کو بارہ سو روپیے سال کی امداد کا حکم خواجہ صاحب کے ہاتون مین تھا -

کہ اسلام کا باغ ویران یہی ہے

اس کے بعد مولانا اگست سنہ ۱۸۸۰ء میں علیگڈھ تشریف لے گئے متعدد دفعہ مدرستہ العلوم کو دیکھا اُس وقت اُس کی ابتدائی حالت تھی اس کے قیام کو چھ سال ہی گذرے تھے، عمارتوں کی کچھ کچھ تعمیر شروع تھی، انھوں نے بورڈروں کے رہنے سہنے، اُن کی طرز معاشرت، تعلیم اور اخلاق و تربیت پر نظر کی اور ایک خاص اثر لے کر وہاں سے واپس آ گئے دھلی پہنچکر اسی اثر میں مولانا نے یہ ترکیب بند[۱] نظم کیا۔

ترکیب بند

جس وقت گھر سے ایک مٹی کا دیا ایک بڑھیا نے سر رہ لا کے روشن کر دیا
تا کہ رہ گیر اور پردیسی کہیں ٹھوکر نہ کھائیں راہ سے آسان گذر جائے ہر ایک چھوٹا بڑا
یہ دیا بہتر ہے ان جھاڑوں سے اور اس لیمپ سے روشنی محلوں کے اندر ہی رہے جن کی سدا
گر نکل کر ایک ذرا محلوں سے باہر رکھیئے تو ہے اندھیرا گھپ در و دیوار پر چھایا ہوا
سیر کہ دریا ہیں وہ حاجت روا اپنا نہیں

---

[۱] افسوس ہے کہ یہ ترکیب بند مولانا کے مجموعہ نظم کی جدید اشاعتوں میں شامل نہیں ہے

روشنی سے جن کی ملاحون کے بیڑے پار ہین

ہم نے ان عالی بناؤن سے کیا اکثر سوال — آشکارا جن سے ان کے بانیونکا ہے جلال
شان و شوکت کی تمہاری دھوم ہے آفاق مین — دور سے آ آ کے تمکو دیکھتے ہین باکمال
قوم کو اس شان و شوکت سے تمہاری کیا ملا — دو جواب اس کا اگر رکھتے ہو یارائے مقال
سرنگون ہو کر وہ سب بولین زبان حال سے — ہو سکا ہم سے نہ کچھہ الا انفعال انفعال

بانیون نے تھا بنایا اس لئے گویا ہمین
ہم کو جب دیکھین خلف اسلاف کو رویا کرین

شوق سے اس نے بنایا مقبرہ ایک شاندار — اور چھوڑا اس نے ایک ایوان عالی یادگار
ایک نے دنیا کے پودے باغ مین اپنے لگائے — ایک نے چھوڑے دفینے سیم و زر کے بے شمار
اک محب قوم نے اپنے مبارک ہاتھ سے — قوم کی تعلیم کی بنیاد ڈالی استوار
ہو گی عالم مین کہو سرسبز یہ پچھلی مراد؟ — یا وہ اگلونکی امیدین لائینگی کچھہ برگ و بار

چشمہ سرحیون ہے جو بہتا رہے گا یہان ہی
سب اُتر جائینگی چڑھ کر ندیان برسات کی

دور سے امید نے جھلکی سی ایک دکھلائی ہے — ایک کشتی ڈوبتے بیڑے کو لینے آئی ہے
قوم کے پیر و جوان سب ہو گئے تھے مردہ دل — دردمندی جوش مین چند اہل دل کو لائی ہے
پاؤگے تاریخ مین ہرگز نہ تم اس کی مثال — سلطنت نے قوم کی جو یہان مدد فرمائی ہے
غیر قومون نے بھی کی ہے شرط ہمدردی ادا — یہ بنا چلتی ہوا تک کو بھی دل سے بھائی ہے

آؤ ہم بھی اسے عزیزو مغتنم سمجھین اسے
اک ضروری کام اپنا کم سے کم سمجھین اسے

یہ مبارک گھر نزولِ خیر و برکت ہے جہان   جسکی پیشانی سے ظاہر ہین سعادت کے نشان
یہ نہالِ تازہ جس کو اک زمین شور مین   خرم و سرسبز کرنا چاہتے ہین باغبان
یہ مسیحائی علاج اس دردِ بے درمان کا   لا دوا ٹھیرا چکے جس کو اطبائے زمان
یہ نمونہ اس عزیزِ مصر کا جس نے ستم   جنکے ہاتھون سے سہے دی قحط سے انکو امان

عہد و پیمان اے عزیزو تم سے کچھ لینے کو ہے
قوم کو یہ برکتین بے انتہا دینے کو ہے

آرہی ہے اس مکان کے گوشہ گوشہ سے صدا   قوم اگر سمجھے تو ہون مین قوم کا حاجت روا
ہے کوئی اکسیر دنیا مین تو ہون اکسیر مین   اور اصل کیمیا کچھ ہے تو مین ہون کیمیا
ہاتھ آجاتا سکندر کو اگر میرا سراغ   چھوڑ دیتا جستجوئے چشمۂ آب بقا
میرے جو حامی ہین انکی یون پھلینگی کوششین   ایک دانہ سے ہون خوشے جسطرح بے انتہا

ہے عبث گر قوم نے بے وقت پہچانا مجھے
برکتین اُن پر جنہون نے وقت پر جانا مجھے

ان سے کہدو قوم مین ہین جو کہ عالی خاندان   یا جنہین جاگیر و منصب پہ ہے ناز بیکران
کیا لئے بیٹھے ہو فخر منصب و جاگیر کو   منصب و جاگیر ہین سب کوئی دن کے مہمان
تم نہین رتبہ مین بڑھکر تعلقدارون سے   تنگ ہے آج انکی شانون پر زمین آسمان

چھوڑ جاؤ واسطے اولاد کے کوئی سپہر　　ورنہ وار اپنا کرے گی گردشِ دورِ زمان

آؤ باندھو عہد مجھ سے اور میرا ساتھ دو

میرا سودا نقد ہے اس ہاتھ دو اس ہاتھ لو

میں تمہیں پستی سے پہنچاؤنگا تا اوجِ کمال　　میں تمہیں دیکھونگا جب گرتا ہوا لونگا سنبھال
میں بناؤنگا تمہارے کام سب بگڑے ہوئے　　میں سوجھاؤنگا زمانہ کی تمہیں چال ڈھال
جو کرینگے آج میری نصرت و بازو سے مدد　　میں سدا آکر رہونگا ان کی نسلونکو نہال
قوم کا حامی ہوں اور اسلام کا یاور ہوں میں　　لوگ دار الکفر سمجھیں مجھکو یا دار الضلال

میں دکھاؤنگا کہ جو دشمن تھے میرے نام کے

تھے حقیقت میں وہ دشمن قوم اور اسلام کے

ملک میں عزت سے رہنا میں سکھاؤنگا تمہیں　　سلطنت کا معتمد بھی بناؤنگا تمہیں
قابلیت تم میں بڑھنے کی ہو دیکھوں جسقدر　　بڑھ سکوگے جسقدر اتنا بڑھاؤنگا تمہیں
تب یہ سمجھوگے کہ ہم سوتے تھے کب کے بیخبر　　دفعتاً جب خوابِ غفلت سے جگاؤنگا تمہیں
یاد ہوگا تمکو وہ کھویا ہوا اپنا خطاب　　پھر مخاطب خیر امت کا بناؤنگا تمہیں

مجھکو دیکھو گر مرے دعووں میں ہو کچھ اشتباہ

روزِ روشن آپ اپنی روشنی پر ہے گواہ

بارک اللہ اے ریاضِ علم اے حسنِ انتخاب　　ہے ہمارے بخت و دولت کی عنان اب تیرے ہاتھ
ہو تو ہو اب روشنی تیری دلیل کارواں　　چار سو کالی گھٹا چھائی ہے اور کالی ہے رات

قوم سے تو بھی یونہیں جدا کر تعصب کے بتان   جسطرح دین حنیفی سے چھٹے لات و منات
چھوڑ جائینگے جو ہیں جو کہ تجھ سے بیشمار   چھوڑ جائینگے وہی کچھ باقیات الصالحات

ایک با ہمت جماعت جب تیرے ساتھ ہے
ہم سمجھتے ہیں ترے سر پر خدا کا ہاتھ ہے

تو سدا آباد رہ اے قوم کے امیدگاہ   اے یگانوں اور بیگانوں کے یکساں خیرخواہ
دیکھتے ہیں غیر حیرت اور تعجب سے تجھے   قوم نے اب بھی اگر سمجھا نہ تجھ کو آہ آہ
اپنے حامی آپ پیدا کر کہ وہ سربلند   اپنی کھوتی ہے آپ اپنے لئے عزت و جاہ
خیر کی امید رکھنی ہے عبث اس قوم سے   آپکو جس نے کیا ہو اپنے ہاتھوں تباہ

چارہ آخر کچھ نہیں حالی بجز صبر و سکون
کر دعا اب اهد قومی انهم لا یعلمون

مولانا کی طبیعت نوکری کے قابل نہ تھی اس لئے وہ ہمیشہ پریشان رہتے تھے مگر جب ۱۸۸۸ء میں نواب سر آسمان جاہ وزیر دولت آصفیہ نے ان کا وظیفہ علمی مقرر کر دیا تو وہ ملازمت سے سبکدوش ہو گئے اور اگرچہ خانگی ترددات و آلام کا سلسلہ موجود تھا اور صحت بھی اکثر و بیشتر خراب رہتی تھی لیکن اب زیادہ وقت تصنیف و تالیف، مطالعہ اور کتب بینی میں گذرتا تھا۔

وہ اکثر آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاسوں میں شریک ہوتے اور اپنی پُر درد نظموں سے مسلمانوں کے دلوں کو گرماتے۔ ۱۸۹۱ء میں جب انھوں نے علیگڈھ کے اجلاس میں ایک ترجیع بند سنایا جس میں متوسط درجہ کے لوگوں کی حالت کو فقرا اور اغنیا دونوں کی حالت سے بہتر دکھایا تھا اور انھیں کے ساتھ تمام قومی امیدوں کو وابستہ کیا تھا تو اجلاس پر ایک عجیب عالم طاری ہو گیا تھا کیونکہ شرکاء اجلاس میں یہی طبقہ بہت زیادہ تھا جس کو مولانا نے خطاب کیا تھا۔

نظم کے ختم ہونے پر سرسید نے بے اختیار اجلاس کو مخاطب کر کے کہا کہ:-

"اے دوستو! آج یہ نظم جو مولانا حالی نے پڑھی ایک عجیب نظم ہے کہ شاید ایسی نظم فارسی اردو اور عربی میں بھی کسی شاعر نے نہیں لکھی۔ یہ نظم نصیحت دیتی ہے ان لوگوں کو جن کے دل اس دنیا کی دولت اور ترقی میں پھنسے رہتے ہیں اور متوسط درجے کے لوگوں کو ایک نتیجہ بتاتی ہے کہ وہ باتیں جو ان کو نصیب ہوتی ہیں اعلیٰ سے اعلیٰ دولتمندوں کو بھی نصیب نہیں۔ شاعری جو ہمیشہ سے ہندوستان میں جاری ہے وہ سب لوگ اختیار کرینگے

کہ ان کے مضامین کے بیان کرنے سے کوئی خوشی شاید کانون کو ہوتی ہو مگر دل مین اثر کرنے والی نہین ہوتی۔ لیکن جو طریقہ ہمارے مخدوم نے اختیار کیا ہے وہ ایسا مشکل ہے کہ اس کا اختیار کرنا ہر ایک کا کام نہین ہے۔ جذبات انسانی کو سہل الفاظ مین بیان کرنا اس طرح کہ لوگون کے کان مین پڑتے ہی دل مین کام کر جائے مولانا حالی ہی کا کام ہے ہم کو خدا کا شکر کرنا چاہیئے اور فخر کرنا چاہیئے کہ ہماری قوم مین ایک ایسا شخص پیدا ہوا۔ آئندہ زمانہ مین جب کہا جاوے گا کہ فخر قوم، فخر شعراء، فخر علماء، اور زندہ کرنے والا اور راہ بتانے والا اندرونی جذبات کا اور ان سے نجات دینے والا قوم کا کون ہے تو کہا جاوے گا کہ حالی ،،

وہ اسی سال سرسید کے ہمراہ ڈیپوٹیشن مین حیدرآباد بھی گئے تھے جہان نواب وقارالامرا کی صدارت مین ایک عظیم الشان جلسہ بشیر باغ مین منعقد ہوا تھا جس مین مولانا اور مولانا شبلی نے اپنی نظمین جو اس موقع کے لیئے لکھی تھین سنائین۔ مولانا حالی نے ایک قصیدہ پڑھا تھا جس مین نواب سر آسمان جاہ اور دیگر امرا کی عنایتون کا شکریہ اور اعلیٰحضرت کی مدح اور ایڈریس قبول کرنے کے تذکرہ کے بعد اس سفر کا مدعا اور حیدرآباد

سے قومی امیدوں کی وابستگی کا اظہار تھا تو اس وقت ایک عجیب سماں بندھ گیا تھا۔

نواب وقار الامرا پر خاص اثر ہوا اور اُنھوں نے "محل فلک نما" پر مولانا حالی اور مولانا شبلی کو مدعو کر کے پھر دوبارہ یہ نظمیں سُنیں اور اس میں شک نہیں کہ ان نظموں نے وہاں اُمرا کو بہت متاثر کیا۔

غرض اُن کی طبیعت کے سوز و گداز اور اُن کے ہمدردانہ جذبات اور اُن کے فضل و کمال نے قوم کے تمدن و معاشرت اخلاق و عادات اور لٹریچر پر ایک زبردست اور دیرپا اثر ڈالا اور جب تک ان میں طاقت رہی مختلف صورتوں میں اپنے شاعرانہ کمال کو ان ہی مقاصد پر صرف کرتے رہے لیکن اسی کے ساتھ بذات خاص مالی امدادوں کے لیے بھی کوشش کرتے رہتے تھے چنانچہ جب ۱۸۹۵ء میں سرسید لاہور گئے ہیں تو مولانا نے بڑی سرگرمی سے پانی پت اور کرنال میں چندہ جمع کیا اور واپسی میں سرسید کو پانی پت میں ٹھہرا کر تین ہزار سے زاید رقم پیش کی۔

سرسید میموریل فنڈ اور یونیورسٹی کی تحریک کو بھی اُنھوں نے

اپنی نظمون اور کوششون سے تقویت دی۔

لاہور کے جلسہ کی تقریر جو یونیورسٹی کے رزولیوشن کی تحریک کے متعلق ہے یونیورسٹی کے بنیادی لٹریچر مین ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔

وہ نواب محسن الملک کی خوبیون کے بڑے قدرشناس تھے اور سرسید کے بعد جو مشکلات رونما ہوگئی تھین اُن کے دور کرنے مین باوجود ناسازی مزاج برابر کام کرتے رہتے تھے۔ کانفرنسون اور جلسون مین شریک ہوکر قوم مین جوش پیدا کرتے تھے۔

مولانا کو سررشتہ تعلیم کی ملازمت کی وجہ سے تعلیمی معاملات مین بھی کافی تجربہ تھا اور پھر تعلیمی مجالس کی شرکت اور اُن مین تبادلہ خیالات نے اُن کو زبردست ماہر تعلیم بنا دیا تھا اس لحاظ سے سنہ ۱۹۰۸ء مین اجلاس کانفرنس منعقدہ کراچی کے صدر منتخب ہوئے اور آنھون نے اس اجلاس مین ایک نہایت شاندار خطبہ صدارت پیش کیا جس کا ابتدائی حصہ جس مین نواب محسن الملک کا تذکرہ نہایت دردناک تھا جس کو پڑھتے ہوئے مولانا خود آبدیدہ ہوگئے اور ۳۰ منٹ سے زیادہ نہ پڑھ سکے اور مولوی وحید الدین صاحب سلیم نے پورا کیا اسکے

بعد مولانا نے سندھ کا وہ تعلق جو اسلام اور علوم اسلام کے ساتھ رہا ہے اُسکی علمی رفعت اور پھر موجودہ زبون و خراب حالت پر تبصرہ کرنے کے بعد اُس کی تعلیمی و تمدنی اصلاحات کی تجاویز بیان کین پھر اُنھون نے یہ دکھا کر کہ عالم اسلامی مین تعلیمی تحریک کس طرح شروع ہے روسی مسلمانون کی تعلیمی جد و جہد اور تعلیمی فیاضیون کا تذکرہ کیا اور دکھایا کہ وہ جو کچھ کر رہے ہین اس مین گورنمنٹ روس کی اعانت شامل نہین ہے اور ہندوستان مین پست قومون کی اعانت گورنمنٹ فیاضی کے ساتھ کرتی ہے مسلمانون کو اُن کی کوششون سے سبق لینا چاہیئے پھر اُنھون نے صنعت و حرفت پر بحث کی اور فرمایا کہ :-

صاحبو! صنعت و حرفت کی ضرورت ہندوستان مین عام طور پر تسلیم کی جاتی ہے۔ جب سے سدیشی تحریک شروع ہوئی ہے ہمارے ہموطن اوس کی طرف اور بھی جلد جلد قدم بڑھا رہے ہین۔ گورنمنٹ نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ اس ملک کی مالی مشکلات۔ جن مین وہ اکثر مبتلا ہوتا رہتا ہے اُن سے اس کا نجات پانا محض صنعت و حرفت کی ترقی پر منحصر ہے۔ ممالک متحدہ مین اسی مقصد کے لئے انڈسٹریل کانفرنس قایم کی گئی ہے اور صوبون مین بھی اس طرف توجہ ہوتی جاتی

ہے۔ اگرچہ مسلمان بھی اس ضرورت سے انکار نہیں کرتے لیکن عملی طور
پر وہ اب تک اُس سے بالکل الگ رہتے ہیں اور نہایت اندیشہ
ہے کہ جس طرح وہ ابتدا میں انگریزی تعلیم سے نفرت کرنے کے
سبب اپنے تمام ہموطن قوموں سے پیچھے رہ گئے اور اب کسی طرح
اُن کی برابری نہیں کرسکتے اسی طرح صنعت وحرفت سے بھی
اس وقت ان کی غفلت کا وہی انجام نہ ہو۔ میں صنعت
وحرفت کی تعلیم کے متعلق آپ صاحبوں کے سامنے کوئی
نئی بات نہیں کہتا بلکہ جو کچھ پہلے کہا جاچکا ہے اُسی کو دہراتا ہوں
اور قوم کے لیڈروں کو یاد دلاتا ہوں کہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کو صنعت وحرفت کی طرف
متوجہ کریں میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہر سال ہر درجہ کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو صنعت
وحرفت کی تعلیم کیطرف متوجہ کرنیکی غرض سے انکی حیثیت کے موافق معقول وظیفہ دیے
جایا کریں تو امید ہے کہ چند سال میں ایسے کثیر التعداد نوجوان پیدا ہوجائینگے جو اپنے ہم
چشموں کو آزاد پیشہ پر ہاتھ ڈالنے کی جرات دلاسکیں گے اور
اگر قوم کے دولتمندوں کو خدا ایسی توفیق دے کہ وہ اپنے
پاس نوجوانوں کو وقتاً فوقتاً صنعت وحرفت کی تعلیم کے لئے
معقول وظیفے دے کر یورپ یا جاپان بھیجتے رہیں تو امید ہے
کہ تھوڑے عرصہ میں ہماری قوم کے دن پھر جائیں گے ''

اس کے بعد صنعتی وظائف قائم کرنے اور زراعت کے جدید طریقون کی تعلیم پر توجہ دلائی اور آخر مین فرمایا ۔

"بہر حال مسلمانون کی قومی ترقی کے لیے محض یونیورسٹی کی موجودہ تعلیم کافی نہین بلکہ ضرور ہے کہ وہ تعلیم کے ہر ایک شعبہ مین دستگاہ حاصل کرین اور اس دوڑ مین جس مین کہ ان کے ہم وطن ان سے بہت دور آگے نکل گئے ہین ۔ جہان تک ممکن ہو شریک ہون ۔ ورنہ وہ زمانہ بہت قریب ہے کہ ان کو نہ صرف اپنی عزت و توقیر سے بلکہ اپنے بقا اور اپنی ہستی سے بھی ہمیشہ کے لئے دست بردار ہونا پڑے گا

جو اپنے ضعف کا کچھ کرتی نہین تدارک ! قومین وہ چند روز دنیا مین مہمان ہین
گھڑیال اور مگرمچھ ہین ان کو نگلے جاتے دریا مین مچھلیان جو کمزور و ناتوان ہین !!
سنبھلو کہ رہنا یان اس طرح پڑے گا
جیسے اور گذشتہ گمنام و بے نشان ہین

(۴)

مولانا اس فضل و کمال کے ساتھ اخلاق و عادات مین بھی فرد فرید تھے اور ان کے وسیع اخلاق مین قرون اولے کے مسلمانون کا پرتو تھا قرآن و حدیث کے مطالعہ نے ان کی فطرت صحیحہ کو جلا دیدی تھی ۔

ان کو کچھ کم چالیس سال محمڈن کالج کے ساتھ تعلق رہا اور اس عرصہ
مین بہت سے دشوار گذار مراحل پیش آئے بہت انقلابات ہوئے
آپس کے تنازعات نے اس کی بنیادون تک کو ہلا دیا۔ لیکن مولانا
نے ایک متولی (ٹرسٹی) کی حیثیت سے نہایت دیانتداری اور
صداقت سے اپنے فرائض تولیت ادا کیے۔

اُن کے دل مین سرسید کا انتہائی احترام تھا، وہ سرسید کے
تمام کامون کو عزت اور محبت کی نظرون سے دیکھا کرتے تھے اور
اپنے خانگی خطوط مین اُن کی بعض صفات کو نمونے اور مثال
کے طور پر عزیزون اور دوستون کو لکھتے تھے۔

لیکن سرسید کی اس عظمت و محبت کے مقابلہ مین اُن کے
دل مین اُس کام کی وقعت و الفت بھی بہت زیادہ تھی جو
سرسید نے کیا تھا اور اسی بنا پر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ حالی کے
دست و قلم نے ۱۸۹۷ء مین نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک
کے ساتھ شریک ہو کر ایک یادداشت پر دستخط کیے جو ٹرسٹیون کے
نام لکھی گئی تھی اور جس کا مطلب یہ تھا کہ "وہ کالج کی خبر لین اور
اُس کو یورپین اشخاص کے ہاتھون مین چلے جانے سے روک لین"
جس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ سرسید کو کالج سے بے دخل یا معزول

کر دیا جاوے۔

سنہ ۱۸۸۹ء میں جب سرسید نے سید محمود کی جانشینی کا مسئلہ پیش کیا ہے تو ان حالات کی بنا پر جو اُس وقت تھے مولانا نے سرسید کی حمایت و تائید کی تھی لیکن سنہ ۱۹۰ء میں جبکہ سید محمود کو کالج سے سبکدوش کرنے میں کالج کی بہتری معلوم ہوئی تو مولانا نے ان کو سبکدوش کرانے میں پورا حصہ لیا۔

آنریبل مسٹر ماریسن سے اُن کے نہایت گہرے تعلقات تھے اور ان تعلقات کا اندازہ اُس نظم سے ہوتا ہے۔ جو اُنھوں نے مسٹر ماریسن کے وداعی جلسے میں پڑھی تھی لیکن جب اُنھوں نے اپنا جانشین مسٹر کارنا کو مقرر کرانا چاہا ہے اور اس پر زور دیا ہے اور نواب وقار الملک نے سخت اختلاف کیا ہے تو مولانا نے نواب وقار الملک کا ہی ساتھ دیا اور نہ صرف ساتھ دیا بلکہ اور ٹرسٹیوں کو بھی ہم رائے بنایا۔

اگرچہ مولانا ٹرسٹی شپ کے فرائض پورے طور پر انجام دیتے تھے اور جو کچھ اُن کے امکان میں تھا کالج کی بہبودی کے لئے کرتے رہتے تھے۔ لیکن وہ ٹرسٹیوں کی عام بے توجہی اور کمزوری کو محسوس کرتے تھے اور سنہ ۱۹ء کی شورش طلباء کے تحقیقاتی کمیشن کے

پریسیڈنٹ کو اُنھون نے آزادی کے ساتھ مشورہ دیا تھا کہ نکمے اور نالایق ٹرسٹیون کی بھرتی جو سید کے زمانہ مین ہوئی تھی اور ابھی تک وہی اُصول چلا آرہا ہے اس کو ختم ہونا چاہیئے اور ایسی تدابیر کرنی چاہئیں کہ جن سے موجودہ ٹرسٹیون کی غفلت اور بے پروائی کا انسداد ہو اور آئندہ کسی عمدہ اور مستحکم اُصول سے اُن کا انتخاب عمل مین آیا کرے۔

اسی طرح نواب وقار الملک اور مسٹر آرچبولڈ کے جھگڑے مین جو سکریٹری اور پرنسپل کے اختیارات کے متعلق تھا اور جس مین ہزآنر لفٹنٹ گورنر نے بعض مشورے ایسے دئے تھے جن سے اتفاق کرنے مین قومی وقار کو صدمہ پہنچتا تھا اور اس کے خلاف ٹرسٹیون نے رزولیوشن تیار کئے تھے تو مولانا کو اندیشہ لاحق ہوگیا تھا کہ زمیندار تعلقدار عہدہ داران سرکاری اور ان کے علاوہ بعض دیگر اصحاب ہزآنر کی ناراضی کے وہمی خیال سے اختلاف کرین گے اور مخالفین کے غلبہ رائے کی صورت مین آنریری سکریٹری استعفیٰ دیدین گے دوسری طرف پرنسپل کے مستعفی ہوجانے اور اس استعفا سے حکام انگریزی کے دلون پر خراب اثر پڑنے کا بھی اندیشہ تھا مولانا نے ان اندیشون

کو خواجہ سجاد حسین صاحب کے نام ایک خط مین لکھ کر اپنی رائے اس طرح ظاہر کی کہ:-

”لیکن پہلا اندیشہ دوسرے اندیشے سے میرے نزدیک زیادہ سخت ہے کیونکہ ہز آنر کے وہ مشورے مان لیے گئے ہین کے قبول کرنے سے عذر کیا گیا ہے تو سکریٹری بلکہ تمام ٹرسٹیون کا عدم وجود برابر ہو جائیگا اور محمڈن کالج بمنزلہ گورنمنٹ کالج کے ہو جائے گا۔“

غرض مولانا نے اس فرض کو ہر موقع پر کامل خلوص اور دیانت سے انجام دینے مین کسی دوست یا عزیز حتی کہ خود سرسید مرحوم کی بھی پروا نہین کی۔

اُن کا دل درد سے بھرا ہوا تھا جو نہ صرف نظمون مین نمایان تھا بلکہ اُن کی روزمرہ کی زندگی اور اُن کے تمام تعلقات مین ظہور پذیر تھا۔ وہ اپنے خانگی خطوط مین اپنے بیٹیون اور عزیزون کو بھی لوگون کے ساتھ بھلائی اور ہمدردی کرنے کی نصیحت کیا کرتے تھے۔ ایک موقع پر کسی عزیز کی سفارش کرتے ہوئے لکھتے ہین۔

”مین تو فرائض کے بعد کوئی عبادت اور کوئی بھلائی اس کے

برابر یقین سمجھتا کہ اولاً اپنے عزیزون اور دوستون کے ساتھ
اور پھر تمام ابنائے جنس کے ساتھ جہان تک ممکن ہو سلوک
اور بھلائی کی جائے۔"

اسی طرح ایک دوسرے خط مین لکھتے ہین کہ "ایک ہمسایہ
کی تکلیف دوسرے ہمسایہ کے لئے سوہان روح ہوتی ہے"

وہ طلبا کی امداد بھی حتی الوسع اپنے پاس سے کرتے رہتے
تھے اور جو عزیز یا دوست اس قابل ہوتے کہ اُن سے مدد دلوائی
جائے تو اُن کو بھی سفارش کے خطوط لکھتے۔ وہ اپنے اعزا کی
دنیاوی ترقیون سے ہی خوش ہونے والے نہین تھے بلکہ اُن کی
اخلاقی ترقی کے بھی آرزومند تھے اور یہی وجہ تھی کہ روزمرہ کے
خطوط مین بھی وہ عزیزون کو مختلف پیرایون مین دلپذیر نصائح
کرتے رہتے تھے۔

اُن کے بھتیجے خواجہ تصدق حسین صاحب مرحوم اُن کی سفارش
اور کوشش سے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنری پر مامور ہوتے ہین
اور وہ اس کا شکریہ ادا کرتے ہین۔ مولانا اس کے جواب
مین لکھتے ہین کہ

"جو باتین تم نے میری نسبت لکھی ہین یہ محض تمہاری سعادتمندی

اور کسی قدر تمھاری نادانی کی دلیل ہین
اگر بفرض محال میری کوشش کو تمھاری
کامیابی مین کچھ دخل ہوا ہی تو اس کو تقریباً
ایسا ہی سمجھنا چاہیئے جیسا کہ ایک باپ کی کوشش کو
بیٹے کی کامیابی مین ہوتا ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہین
ہے کیونکہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے اور ایسا ہی ہوتا رہے گا
تعجب کی وہ باتین ہین جو آج کل لوگ دنیا مین کر رہے ہین
غیرون کے بچون کو تعلیم دلواتے ہین اپنی بساط سے زیادہ ان کی
امداد کرتے ہین تمام قوم کے لئے ویسی ہی کوششین کرتے ہین
جیسے کسی خاندان کا سرپرست اپنے خاندان کے لئے کرتا ہے اپنی جان
اور مال اور وقت اور دل و دماغ کو قوم کے لئے وقف کر رکھا ہے قوم کی طرف سے
اُن پر گالیان پڑتی ہین مگر وہ قوم کا خیال نہین چھوڑتے اور رات دن اُسی دھن
مین لگے ہوئے ہین یہ لوگ ہین جن کا ہم کو اور تمام قوم کو دل و جان
سے شکر ادا کرنا چاہیئے اور انہین کا صدقہ ہے کہ ہماری قوم مین
کسی قدر آپس کی ہمدردیون کا خیال پیدا ہو گیا ہے "

وہ فراخ حوصلہ اور قدر شناس تھے مصنفین کی حوصلہ افزائی کرتے
اون کی کتابون کو خرید کر دلچسپی سے پڑھتے اور بعض اوقات متعدد نسخے

خرید کر لائبریرون مین بھیجدیتے تھے۔ مولوی عبدالرزاق صاحب سے
بر سبیل تذکرہ ایک مرتبہ فرماتے تھے کہ جس کتاب کی قیمت ادا کی جاتی
ہے اُس کے مطالعہ مین بھی زیادہ دلچسپی ہوتی ہے۔ نوجوانون کو
علمی کامون کا شوق دلاتے مولوی عبدالرحیم صاحب مرحوم بیدل کے ایک
خط مین لکھتے ہین کہ:-

عزیزی خواجہ عبدالمجید خان صاحب کو بہت بہت دعا کہئیے۔ امید ہے
کہ اب اُن کے بچے سب بخیریت ہون گے معلوم نہین کہ اُنھون نے
میرے عرض کرنے پر کوئی مشغلہ اختیار کیا یا نہین؟ اُن کو خدا تعالی
نے ایسی لیاقت دی ہے کہ ملک اور قوم کو بہت کچھ فائدہ پہنچا سکتے
ہین اور چونکہ عنایت الٰہی سے تلاش معاش کی ضرورت نہین
ہے اس لئے ان کے علمی مشغلون مین کوئی چیز مزاحم نہین ہو سکتی
میرے نزدیک صرف کتابون اور اخبارون کا مطالعہ کرنا اور
کوئی علمی کام نہ کرنا اپنے علم کی ناقدردانی اور اپنی قیمتی زندگی کو رائگان
کھونا ہے اس موقع پر مین اپنی ذیل کی رباعی لکھتا ہون اور چاہتا ہون
کہ عزیز موصوف بھی اس کو پڑھین اور اگر وہ درحقیقت سودیشی
تحریک کو دل سے پسند کرتے ہین تو اس رباعی پر عمل کرین ؎

یارو نہین وقت عیش و آرام کا یہ   موقع ہے اخیر فکر انجام کا یہ

بس حبِّ وطن کا جب چمکا نام بہت   اب کام کرو کہ وقت ہے کام کا یہ

اُنہون نے جو خطوط مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے کو لکھے ہین اُن کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ قابل نوجوانون کو کس طرح اُبھارتے تھے اور اُن کے کامون کی کیسی قدر کرتے تھے اسی سلسلہ مین اُن سے ایک کتاب "خاتونِ ہند"[لہ] پر ریویو کرنے کی فرمائش کرتے ہین اور اس کا مقصد یہ بتاتے ہین کہ

"ریویو لکھوانے سے مقصود یہ ہے کہ مولفہ کتاب جو بہرحال ہم وطن ہے اس کو شرمایا جائے کہ باوجود ہم وطن ہونے اور دعوے بے تعصبی کے ایک ایسی کتاب مین جو عورتون کے لیے لکھی گئی ہو اور جس کا مقصد ہندوستان کی عورتون کے خیالات کی اصلاح ہو ایسے متعصبانہ خیالات ظاہر کرنے اور وہ بھی محض بے اصل اور تاریخ کے خلاف ایک ہم ملک کے حق مین نہایت بیجا اور قابل افسوس ہے"

اور ان کو اس بنا پر انتخاب کرتے ہین ۔

"چونکہ آپ نے عالمگیر کی لائف کو ایک مصنف کی نظر سے مطالعہ

[لہ] یہ کتاب ایک ہندو مصنفہ نے جو برہمو سماج کی ممبر تھین لکھی تھی جس کی نسبت مولانا کو پہلے یہ حسن ظن تھا کہ وہ غیر متعصب ہے لیکن اس کتاب کو جس مین اُس نے عالمگیر کی نسبت انتہائی تعصب کا اظہار کیا تھا دیکھ کے یہ اُن کا حسن ظن جاتا رہا ۔

کیا ہے اس لئے مین سمجھتا ہون کہ آپ بہت آسانی سے مؤلف مذکورہ کی قلعی کھول سکین گے مگر ریویو کی طرز بیان بہت شایستہ اور الفاظ نہایت سنجیدہ ہونے چاہئین جن سے برہمو سماج کے تمام ممبر متاثر اور شرمندہ ہون - یہ سماج برخلاف آریہ سماج کے نہایت آزاد اور صلح پسند ہے اس لئے مجھے امید ہے کہ آپ کے ریویو کا ان لوگون پر عمدہ اثر ہوگا - ریویو مین اس بات پر زیادہ زور دینا چاہئے کہ جو لوگ ہندو مسلمانون مین تفرقہ اور پھوٹ ڈالنے والی کتابین لکھتے ہین وہ ہندوستان کے سخت دشمن ہین خواہ وہ ہندو ہون یا مسلمان برہمو ہون یا آریا ”

اور جب ریویو لکھکر دلگداز مین شایع کراتے ہین تو مولانا کس خوشی کے ساتھ ارقام فرماتے ہین کہ -

“ دلگداز مین خاتونان ہند پر آپ کا ریویو دیکھ کر بہت ہی جی خوش ہوا اور اسی خوشی مین دلگداز کی خریداری کی درخواست آج بھیجدی ہے یہ بھی لکھ بھیجا ہے کہ ایک کاپی اس نمبر کی مصنفہ خاتونان ہند کے نام لاہور ضرور بھیجدین اس کی قیمت مین خود دون گا ”

ایک اور خط مین ان کی ایک کتاب زیر تالیف کی نسبت لکھتے ہین کہ

“ اسلامی حکومت مین ہندو مسلمانون کے تعلقات پر جو کتاب آپ لکھ

رہے ہین خدا کرے وہ میری زندگی مین پوری ہو جائے۔ مجھے اس کے دیکھنے کا نہایت اشتیاق ہے[لہ]"

مولانا کی صحت تو عرصہ سے خراب ہو چکی تھی، ۱۹۱۰ء مین بصارت پر بھی اثر پڑ گیا تھا اور دماغ بھی کمزور ہو گیا تھا لیکن کوئی نہ کوئی علمی کام ضرور کرتے رہتے تھے ۱۹۱۲ء مین بہت ضعیف ہو گئے تھے اور اب بغیر کسی مددگار کے کام کرنا مشکل تھا ایک عزیز کو نہایت اصرار کے ساتھ لکھا کہ وہ آجائین تو ان کی امداد سے کچھ کام کرین اس خط مین یہ حسرت انگیز فقرہ بھی تھا کہ "اب چل چلاؤ کے دن قریب ہین ایک ایک گھڑی نہایت قیمتی ہے"

ان کا مطالعہ اخیر وقت تک جاری رہا اور جب نظر کمزور ہو گئی تو اخبارات اور کتابین پڑھوا کر سنا کرتے تھے۔

علی گڑھ سے ان کو ایک خاص اُنس تھا اور اس زمانہ مین بعض اسباب سے ان کا خیال ہو گیا تھا کہ وہین مستقل قیام کرین اور اس ارادہ کی ایک دوست کو اطلاع بھی دی تھی۔

[لہ] افسوس کہ مولوی عبدالحق صاحب کی مصروفیتون نے اس اشتیاق کو پورا نہین ہونے دیا اور شاید بہت سے مشتاق اسی اشتیاق کو قبر مین ساتھ لے جائین۔

"مین بھی مدت سے ارادہ کر رہا ہون کہ علیگڈھ مین بقیہ زندگی بسر کرون اگرچہ مین سوسائٹی مین رہنے کے قابل نہین رہا اور تخلیہ اور تنہائی کو زیادہ پسند کرتا ہون اور کسی مفید کام کرنے کی بھی اب قابلیت نہین رہی لیکن اس خطرہ سے بالطبع مونس ہے"

سید ہاشمی صاحب فریدآبادی نے جن کو مولنا کے ساتھ بہت گہرا اور قریبی تعلق رہا ہے اپنے ایک مضمون مین مولینا کے اخلاق کے متعلق لکھا ہے کہ

مولوی حالی مرحوم کی زندگی شرافت وصداقت، حلم وانکسا صبر وسادگی کا قابلِ دید نمونہ تھی۔ اُن کے اخلاق شائستہ کا پاس بیٹھنے والون پر یہ پرتو پڑتا تھا۔ بزرگون نے لکھا ہے اور مین نے ان کی صحبت مین آزمایا۔ کہ نیکون کے محض حضور مین بڑے سے بڑے دل صلاح ونکوئی قبول کرتے ہین۔ مدت العمر کے ساتھیون کا بیان ہے کہ مولوی صاحب مرحوم نے کبھی اپنی زبان کو غیبت وبدگوئی سے آلودہ نہین کیا۔ اور مجھے یہ سبق پہلی مرتبہ اُن کی دلچسپ مجلس مین حاصل ہوا کہ اتنے وسیع تعلقات اور واقفیت کے باوجود بھی آدمی چاہے تو اپنی ہمہ رنگ وہمہ گیر گفتگو کو لوگون کی ہجو بے جا اور مذمت ذات سے خالی

رکھ سکتا ہے۔ مگر مرحوم کے فضل و شرف کی اس سے بھی زیادہ نمایان دلیل یہ وصف تھا کہ وہ جس قدر ہمدرد و باہمت تھے اسی قدر فراخ حوصلہ اور قدرشناس تھے۔ مسلمانون کی بگڑی ہوئی قوم مین ایسے افراد کم ملین گے جو اپنی ذہانت اور وسعت نظر سے نکتہ چینی کی بجائے قدردانی اور ہمت افزائی کا کام لین۔ عیب جوئی اور تنگ دلی ہمارے اخلاق کی پستی اور قومی انحطاط کا نتیجہ اور آیندہ ترقی کے حق مین بہت بڑی رکاوٹ ہے اور اسی لئے شاید ہمین کام کرنے والون سے بھی زیادہ کام کی قدر جاننے والون کی ضرورت ہے۔

مولوی حالی مرحوم کی معاشرت بالکل سادہ اور طالب علمانہ تھی ان کے مشاغل خیالات گفتگو بالکل پاک صاف اور نہایت مہذب ہوتی تھی اور کبھی کوئی رکیک بات یا کلمۂ ہزل اُن کی زبان پر نہ آتا تھا۔"

مولانا کی آخیر حالت کا اندازہ اور اُن کی مہمان نوازی وغیرہ کی کیفیت مولوی عبدالرزاق صاحب کے اس بیان سے معلوم ہوگی کہ

سنہ ١٩١٢ع مین میری اور خواجہ صاحب کی آخیر ملاقات ہوئی مین خواجہ صاحب

کا تین دن مہمان رہا انتہا درجہ کے مہمان نواز تھے دونون وقت
دسترخوان پر فصلی میوے اور پانی پت کی مشہور دکان کی بالائی
ہوتی تھی - اس زمانہ مین خاموش ہو گئے تھے - باتین بہت
کم کرتے تھے - مین نے پوچھا اب شاعری کا کیا حال ہے تو
ہنس کر فرمایا ع نہ رہی جیز وہ مضمون سجھانے والی،، پھر فرمایا
حافظہ کا یہ حال ہے کہ بعض اوقات لغات کے معنی سوچا کرتا ہون
اور یاد نہین آتے ہان اگر اچھا مضمون ہاتھ آگیا تو اسکو رباعی
مین ادا کر دیتا ہون - ضعف بڑھ گیا تھا بلا ضرورت بالاخانہ سے
نیچے نہین اُترتے تھے -

سنہ ۱۹۱۳ء مین خواجہ صاحب سے جو مراسلت ہوئی اُسکے مطالعہ
سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمانہ انحطاط کا تھا -

۱۵؍ فروری سنہ ۱۹۱۳ء کے ایک خط مین تحریر فرماتے ہین کہ
"نظام الملک طوسی جیسی عالی درجہ تصنیف پر ریویو لکھنے
کے قابل اب مین نہین رہا قطع نظر اس کے کہ قوائے جسمانی
روز بروز مضمحل ہوتے چلے جاتے ہین دماغ بھی معطل
بلکہ مختل ہو گیا ہے - خطون کا جواب مستثنی حالتون کے سوا
ہمیشہ دوسرون سے لکھواتا ہون جو کچھ لکھا پڑھا تھا سب

فراموش ہو گیا ہے۔ میری موجودہ حالت پر میرزا غالب مرحوم کا یہ شعر صادق آتا ہے۔

دیگر از خویشتم نبود تکلف بر طرف
این قدر دانم کہ غالب نام یارے داشتم

بجائے غالب کے آپ کو حالی پڑھنا چاہیئے"

غرض جس شخص کو جس قدر مولانا سے زیادہ تعلق رہا ہے وہ بھی اُن کی خوبیون کا زیادہ معترف نظر آتا ہے بعض ایسے قابل افراد بھی ہین جن کی نظر دلون کے عیوب کی تہ تک پہنچ جاتی ہے اور ایک ذرا سی معمولی بات مین بھی برائی کا بہت بڑا پہلو نظر آتا ہے مگر مولانا کے وسعت اخلاق اور شرافت نفس کا بغیر کسی نکتہ چینی کے وہ بھی اعتراف کرتے ہین

۱۹۱۱ء سے عالم اسلام پر جن مصائب کا پہاڑ ٹوٹا، طرابلس اور بلقان مین جس طرح مسلمانون پر تباہی آئی اور کامل چھ برس تک بربادی کا جو خوفناک منظر سامنے رہا وہ اس صدی کا ایک ایسا دل دوز اور جگر سوز واقعہ ہے جو مسلمانون کو صدیون خون رلائے گا۔ ان حالات مین ناممکن تھا کہ مولانا حالی کا دل جو عمر بھر ایک ایک مسلمان خاندان کی تباہی و بربادی پر روتا رہا ہو بیتاب

و مضطرب ہو جاتا وہ روزانہ جنگ کی خبرین سُنتے اور بے قرار ہو جاتے اور دل کا درد آنکھون سے قطرات اشک بن کر ٹپکتا۔ کئی مرتبہ زبان سے اس مظلومانہ آرزو کا بھی اظہار ہوا کہ "الٰہی وہ وقت بھی کبھی آئے گا جبکہ ترک اور ایرانی کے قتل و خون کے بجائے ہم یہ سُنینگے کہ آج اتنے جرمن مارے گئے اور اتنے روسی کام آئے"

ایک خانگی خط مین لکھتے ہین کہ:۔

"ٹرکی کی خبرین جو آجکل آرہی ہین اُنھون نے بالکل کمر توڑ دی ہے ایران اور مراکو کی تو فاتحہ خیر پڑھ چکے تھے اب ٹرکی کی بھی بظاہر خیر نہین معلوم ہوتی ہے لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا"

اُن کا دل ہر اُس شخص کی محبت سے معمور ہو جاتا جو ان مظلومون کی ہمدردی و اعانت مین کوئی آواز بلند کرتا یا کوئی عملی تحریک لے کر سامنے آتا ان ہی جذبات سے متاثر ہو کر مولانا ظفر علی خان کی ان کوششون کی نسبت جو اُنھون نے طرابلس و بلقان کے شہیدون اور مجروحون کی ہمدردی مین کی تھین مولانا نے "شکریہ مساعی جمیلہ ظفر علی خان" کے عنوان سے یہ مخصوص نظم لکھی تھی۔

شکریہ مساعیٔ جمیلۂ ظفر علی خان

اے مالکِ دفترِ زمیندار   اے نازشِ قوم و فخرِ اقران
اے روحِ روانِ جمیعِ احباب   اے چشم و چراغِ بزمِ اخوان
اے دین کے امتحان میں جانباز   اے نصرتِ حق میں تیغِ عریان
اے صدق و صفا کی زندہ تصویر   اے شیرِ دلا اے ظفر علیخان
قدرت نے بھرے تھے تجھ میں جو گن   جب تک وہ رہے نظر سے پنہان
فوقیت و برتری پہ تیری   قائم کوئی ہو سکی نہ برہان
ہر وقت کی تاک میں برابر   ہمت تری گن رہی تھی گھڑیان
بلقان و طرابلس میں ناگاہ   اٹھا ستم و جفا کا طوفان
ہمدردیٔ اہلِ دین نے آخر   جوہر ترے کر دئے نمایان
جمعیت و صبر کا سراسر   دامن ہوا چاک تا گریبان
پھیلے وہ بشکلِ سیلِ آتش   دل میں ترے جو شرر تھے پنہان
ڈالا یہ تری پکار نے غل   جی اُٹھے وہ مردے جو تھے بے جان
جو دل غمِ قوم سے تھے بے حس   چلنے لگیں اُن دلوں پہ چھریان
وہ بن گئے آپ اپنے رہزن   جو مال کے اپنے تھے نگہبان .

اسلام کی سمجھے اب حقیقت   جو نام کے تھے فقط مسلمان
ہان اس مین نہین مبالغہ کچھ   سنتا ہی ہے اے **ظفر علی خان**
نازان ہے وہ درسگاہ تجھ پہ   تعلیم پہ جس کی تو ہے نازان
کاش ایسے جنے سدا وہ فرزند   جو قوم کے درد کے ہون درمان
سوز غمِ دینِ حق سے جن کے   سینے ہون کباب دل ہون بریان
جو ملک و وطن کے ہون فدائی   جو قوم کے نام پہ ہون قربان
مشرق مین ہون درد دلسے بےچین   مغرب مین سنین جو رنجِ اخوان
پنجاب کو تجھ پہ ہو اگر فخر   ہے اس کو یہ فخر و ناز شایان"
زندہ ہے وہ ملک اور وہ ملت
ہون زندہ دل ایسے جس مین انسان

* * *

اسی طرح مولانا محمد علی کی اُن کوششون کی جو اُنھون نے جنگ بلقان کے زمانہ مین طبی وفد بھیجنے مین کی تھین مولانا حالی کے دل مین بڑی قدر و منزلت تھی جس کا اظہار اُنھون نے اخبار ہمدرد کے اجرا کے موقع پر اس طرح کیا تھا۔

تمغون کی ہوس نہ یان خطابون کی طلب   اک ملک کی خدمت کا ہی سودا یا رب
ہمدرد کو اسم با مسمےٰ کیجو   اس نام کی لاج تیرے ہی ہاتھ ہو اب

(۵)

مولانا کی تصانیف و مضامین، شاعری اور عام قابلیت پر تبصرہ کرنا درحقیقت ایک ایسے قابل آدمی کا کام ہے جو مولانا ہی کا ہم پلہ ہو اور مولف تذکرہ ایسی قابلیت سے محض عاری ہے البتہ تذکرہ کی تکمیل کے لیے ان کا ایک مختصر بیان ضروری ہے اور اسی کو پیش نظر رکھا ہے۔

سلسلۂ نظم مین مولانا کے مسدس مد و جزر اسلام کے علاوہ بہت سی نظمین اور مسدس۔ ترجیع بند، رباعیان، اور قطعات وغیرہ کی شکل مین ہین۔ جن کی الگ الگ اور مجموعہ کے طور پر بہ کثرت اشاعت ہوتی ہے ان نظمون مین، برکھا رت، نشاطِ امید، حب وطن، مناظرۂ رحم و انصاف، مناجاتِ بیوہ شکوۂ ہند۔ حقوقِ اولاد، مستقل مثنویان ہین جو حسن بیان خوبی معانی اور جذبات سے لبریز ہین لیکن اس سلسلہ مین مناجات بیوہ کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔ اور اس مین جو درد بھرا ہوا ہے یہی نہین کہ اس کا اندازہ سب سے زیادہ بدنصیب بیواؤن کو ہو یا وہ لوگ جنہون نے بیوگی کی مصیبت کو غور سے دیکھا ہے اس درد کا کچھ اندازہ کرین بلکہ ہر پڑھنے والے کا قلب

اس درد سے بے چین ہوجاتا ہے اور خاص کر صغر سنی کی شادی کے ہولناک نتایج جو اس مین نمایان ہین بے حد موثر ہین اور وہ اسقدر مقبول ہوئی کہ اس کا ترجمہ علاوہ دس زبانون کے اعلی سنسکرت مین بھی ہوگیا ہے۔

مولانا کو تعلیم نسوان کے ساتھ خاص دلچسپی تھی اور عورتون کی اس زار حالت سے جو موجودہ سوسائٹی مین تھی ان کے دل کو تکلیف پہنچتی تھی یہی درد اور تکلیف تھی کہ جس کے اثر سے مولانا نے وہ مشہور نظم جو "چپ کی داد" کے نام سے معروف ہے لکھی۔

اس نظم کے علاوہ ان خیالات و حالات سے جو لڑکیون کی نسبت ناتے اور شادی بیاہ مین بر کی تلاش و انتخاب مین پیش آتے ہین متاثر ہوکر انھون نے ایک اور مختصر نظم بھی لکھی تھی جو ان کے دردِ دل کو ظاہر کرتی ہے۔

سنہ ۱۸۹۰ء مین خود مولانا نے مجموعۂ نظم حالی کے نام سے ایک مجموعہ شایع کیا جس مین متذکرہ بالا قسم کی نظمون میں سے ۴ نظمین ہین پھر اس اڈیشن کو سنہ ۱۹۰۳ء مین مولانا وحید الدین سلیم نے بعد کی کہی ہوئی نظمون کا اضافہ کرکے پانی پت سے

شایع کیا۔

مولانا کی قدیم و جدید غزلیات کا مجموعہ بھی "دیوان حالی" کے نام سے سنہ ۱۸۹۳ء مین شایع ہوگیا ہے اور اس مین شعر و شاعری پر ایک مبسوط مقدمہ ہے جو بجائے خود ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے یہ مقدمہ برسون کی چھان بین، کدوکاوش اور غور و مطالعہ کا نتیجہ ہے مقدمہ کے بعد پہلے کچھ قطعات ہین جو پند و موعظت اور وعظ و نصیحت سے معمور ہین، پھر جدید قدیم غزلیات ہین اور پھر سَو کے قریب حکیمانہ رباعیات ہین، اخیر مین قصائد، مسدس، ترکیب بند، مرثیے، اور کچھ قطعات اور تاریخین ہین اس کا دوسرا ایڈیشن سنہ ۱۹۱۸ء مین حالی بک ڈپو نے پانی پت سے اور الناظر بک ایجنسی نے لکھنؤ سے شایع کیا حالی بک ڈپو نے رباعیات کا مجموعہ اور متفرق نظمون کو جواہرات حالی کے نام سے الگ الگ بھی شایع کر دیا ہے لیکن افسوس ہے کہ ان مجموعون مین پھر بھی بہت سی دلچسپ اور مفید نظمین نہین ہین اور اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک مکمل مجموعہ آب و تاب کے ساتھ شایع کیا جائے۔ بعض نظمین ایسی بھی ہین کہ جن کا حق تصنیف مولانا نے کسی قومی انسٹی ٹیوشن کو دیدیا ہے ان کا حق محفوظ

رہنا چاہیئے کیونکہ وہ ایک خیر جاریہ ہے لیکن اگر کل مجموعہ شایع کیا جائے تو ان انسٹی ٹیوشنون کو اس مین حصہ رسدی شریک ہونا چاہیئے۔

مولانا کے مدحیہ قصائد مین بھی ایک خاص رنگ ہے بے سروپا مدح سرائی اور بے ربطی سے ان کو سخت نفرت ہوگئی تھی وہ اعلےٰ حضرت نظام الملک آصفجاہ سادس مرحوم و مغفور کے جشن جوبلی مین قصیدہ پیش کرنے کی تیاری کرتے ہین لیکن اپنے دوستون سے واقعات طلب کرتے ہین اور چاہتے ہین کہ جو مدح ہو وہ واقعات پر مبنی ہو۔

اعلی حضرت نظام الملک آصفجاہ سابع خلد اللہ ملکہ جب مسند حکومت پر جلوہ افروز ہوئے ہین تو مولانا نے بھی قصیدہ تہنیت پیش کیا ہے لیکن اسوقت تک ایسے اہم واقعات بھی نہ تھے کہ مولانا کی مدح سرائی ان پر مبنی ہوتی لیکن چونکہ وہ تو تلامیذ الرحمن کے زمرہ مین شامل تھے اسلیئے ان کے اس قصیدہ مین بھی ایک عجیب طرز اور رنگ ہے جسکی مثال متقدمین شعرا کے کلام مین نہین ملسکتی مثالاً اشعار ذیل ملاحظہ ہون

فلک مرتبت میر عثمان علی خان   مبارک تمھین مسند شہریاری
مبارک ہو تم کو وہ دشوار منزل   جہان چپہ چپہ پہ ہے ذمہ داری

مبارک بزرگون کی میراث تم کو جنھون نے کہ جھیلی ہین کڑیان ساری
اب اُن کی جگہ آپ کو ہے اُٹھانا خدا کی امانت کا یہ بوجھ بھاری
جو بے بس ہین دنیا ہو اُن کو سہارا جو بے یار ہین اُن کی کرنی ہے یاری
نکمّے جو ہین اُن کو کامی بنانا بڑھانا دل ان کا جو ہین کاروباری
جگانا انھین نیند کے ہین جو ماتے پڑھانا انھین علم سے جو ہین عاری

مولانا نے نعت مین بھی چند غزلین رباعیان اور قصیدے لکھے ہین لیکن ان مین بھی ایک خاص طرز اور ایک ایسا رنگ ہے جو حالی کے لیے ہی مخصوص تھا۔

مولانا کی رباعیان جو جذبات اور حکمت و موعظت کے سرچشمے ہین نہ صرف ہندوستان مین مقبول ہوئین بلکہ ان کو ایک قابل انگریز مسٹر وارڈ نے انگریزی مین ترجمہ کرکے یورپ مین شایع کیا اور وہان انھون نے قبولیت حاصل کی۔

مولانا کے فیوض و برکات سے نادان چھوٹے بچے بھی محروم نہین رہے اور ان کی سمجھ کے مطابق ان کے جذبات ابھارنے کے لیے متعدد نظمین لکھین۔

مولانا کی بعض نظمین مخصوص قومی انسٹی ٹیوشنون کے لیے ہوتی تھین اور بعض کا حق تصنیف کسی انسٹی ٹیوشن کو مرحمت

کردیتے تھے۔

اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کے ساتھ اُن کو خاص دلچسپی تھی اور بانئ مدرسہ کی بے لوث خدمات کے بڑے معترف تھے۔ وہ محمدن کالج کے بعد تمام اسلامی مدارس مین سب سے زیادہ اسی اسکول کو مسلمانون کے لئے مفید خیال کرتے تھے اور اُن کی راے تھی کہ کم استطاعت مسلمانون کے بچون کے لیے اس اسکول سے بہتر کوئی دوسرا اسکول نہین کیونکہ جو فوائد محمدن کالجیٹ اسکول علیگڈھ مین امرا کے بچے حاصل کرسکتے ہین وہ سب خوبیان اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ مین کم استطاعت شریف مسلمانون کے بچون کے لیے موجود ہین چنانچہ جب اس اسکول کے ساتھ بورڈنگ ہاؤس قایم کیا گیا ہے جس مین ابتداءً دس پندرہ بچون سے زیادہ بورڈر نہ تھے تو مولانا نے اپنے پوتے کو اسی اسکول مین تعلیم کی غرض سے بھیجا تھا۔

مولانا نے مدرسہ کی امداد کے لیے سنہ ۱۹۰۳ع کی دھلی کانفرنس کی مشہور نظم "تحفتہ الاخوان" کا حق تصنیف مرحمت فرمایا جس کو منشی رحمت اللہ رعد مرحوم مالک نامی پریس کانپور نے

۳۲۷۰۹

نہایت نفاست کے ساتھ طبع کر کے شایع کیا۔ اس کے بعد دوسری نظم کا حق بھی جس کا نام ”ترقی و تنزل“ ہے عطا کیا۔ نظم کے علاوہ نثر مین بھی مولانا کا مرتبہ بہت بلند تھا وہ ”تہذیب الاخلاق“ کے بلند پایہ مضمون نگار تھے اس کے علاوہ متفرق طور پہ بھی کبھی کبھی مضامین[۵۱] لکھتے رہتے تھے۔ تصانیف پر ان کا طرز تبصرہ، ریویو نگاری کا ایک نمونہ تھا انھون نے متعدد کتابون پر ریویو لکھے ہین اور ان سے مولانا کے علم و فضل اور وسیع النظری کا پورا اندازہ ہوتا ہے۔

نثر مین ان کی پہلی مستقل کتاب ”تریاق مسموم“ مذہبی مناظرہ مین ہے یہ کتاب ایک خاص اثر مین لکھی گئی ہے مولانا کے وطن مین ایک قابل آدمی ملا خیرالدین اور ان کے بیٹے عیسائی ہوگئے تھے مگر پھر انھون نے اور ان کے ایک بیٹے نے اسلام اختیار کر لیا لیکن ایک بیٹا عماد الدین بدستور عیسائی رہا یہ عربی بھی جانتا تھا اور مشن مین ملازم ہوگیا تھا اس نے ایک کتاب ”ہدایۃ المسلمین“ کے نام سے

---

[۵۱] یہ کل مضامین مولانا سید حمید الدین سلیم نے ایک مجموعہ کی شکل مین شایع کرائے تھے۔ لیکن اب نایاب ہین۔

لکھی تھی اور اس کے جواب مین مولانا نے یہ کتاب لکھی۔

اسی طرح پادری ٹرزر کی کتاب ”تاریخ محمدی“ پر ایک تبصرہ رسالہ کی صورت مین لکھا ہے اور آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جو کچھ پادریون نے لکھا ہے اُس کا فلسفی اور غیر متعصب یورپین کی راؤن سے مقابلہ کیا گیا ہے۔

اسی ابتدائی زمانہ مین ایک کتاب کا جو فرانسیسی سے عربی مین ترجمہ کی گئی ہے اور طبقات الارض پر تھی عربی سے اُردو مین ترجمہ کیا تھا اور گویا اُنھون نے اس طرح اُردو زبان کو ایک علمی زبان بنانے مین اس وقت سعی کی جب کہ ترقی اُردو کے خیال کا دماغون مین پتہ تک نہ تھا۔

مولانا کو تعلیم نسوان کے ساتھ اس وقت سے پہلے ہی دلچسپی تھی جبکہ ہمارے مصلحین قوم اس موضوع پر بحث کر رہے تھے اور اس دلچسپی کا عملی ثبوت انھون نے اس طرح دیا کہ عورتون کے پڑھنے کے لیے ایک کتاب ”مجالس النساء“ تصنیف کی جو کچھ عرصہ تک پنجاب کے مدارس مین داخل نصاب رہی اور خانگی تعلیم مین اس سے فائدہ حاصل کیا گیا اور دہلی کے متعدد خاندانون مین یہی کتاب تعلیم نسوان کا سبب ہوئی اس کتاب کے صلہ مین تعلیمی

دربار دہلی کے موقع پر مولانا کو چار سو روپیہ کا انعام بھی گورنمنٹ کی جانب سے لارڈ نارتھ بروک نے عطا کیا۔

سنہ ۱۸۸۶ء میں "حیات سعدی" لکھ کر جدید قسم کی سوانح عمریوں کی بنیاد مشرقی ادب میں ڈالی اور سنہ ۱۸۹۷ء میں یادگار غالب شائع کی جو مرزا غالب کی نہایت دلچسپ سوانح عمری اور ان کے کلام کی تنقید ہے۔

اردو نثر میں ان کی آخری تصنیف "حیات جاوید" ہے جس کی ابتدا سنہ ۱۸۹۱ء میں سرسید کی زندگی میں کی تھی اور چھ برس میں باوجود متعدد مرتبہ بیماریوں میں مبتلا ہونے کے اس کو ختم کیا اور نہایت آب و تاب کے ساتھ منشی رحمت اللہ رعد کے نامی پریس کانپور میں طبع کرایا۔

سرسید کی قومی خدمات اور احسانات کا اقتضا تو یہ تھا کہ ہر طرف سے اور ہر طرح سے اُن کی لائف لکھتے میں مولانا کو مدد ملتی لیکن کسی متنفس نے قلم سے یا درم سے مولانا کو براہ راست مدد نہیں دی۔ کسی زندہ شخص کی یا ایسے شخص کی جس کو انتقال کیے ہوئے بہت قریب عرصہ گذرا ہو اور جس کی شاندار زندگی بہت طویل و عریض ہو، وہ ادیب و مصنف ہو اور ساتھ ہی زبردست

اسپیکر، تمدن و معاشرت اور مذہب کا مصلح اور مجدد ہو، ملکی سیاسیات میں ایک مدبر کا مرتبہ رکھتا ہو۔ غرض اسکی مختلف النوع حیثیتیں ہوں اسکی ذات اور اس کے کاموں کے متعلق مخالف و موافق رائیں رکھنے والے بھی موجود ہوں اس کے کاموں کا سلسلہ ہندوستان سے انگلستان تک وسیع ہو۔ ایسی صورت میں اسکی لائف کا مواد جمع کرنا، پھر اسکی ترتیب اور اس کو لکھنا ایک زہرہ گداز کام تھا مگر مولانا نے تنہا اس مہم کو سر کیا اور اس طرح کہ اردو ادب میں ایک ایسی چیز کا اضافہ کیا جو اپنی نظیر آپ ہی ہے۔

اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں جو ۳۳۰ صفحہ کا ہے۔ سر سید کے حالات زندگی ہیں دوسرے حصہ میں جو ۵۵۸ صفحہ کا ہے سر سید کی لائف، ان کی تصانیف اور ان کے کاموں پر ریویو کیا ہے اور یہ حصہ حقیقت میں مولانا کی محنت و دماغ سوزی کا تماشا گاہ ہے بقول مولانا حبیب الرحمان خان صاحب شروانی (نواب صدر یار جنگ بہادر)

"اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علامۂ مولف نے نہایت غور اور فکر کے ساتھ سر سید کے ہر ایک کام کو خواہ علمی ہو

یا عملی دیکھا ہے اُن کی تصانیف کے ہزارون صفحے پڑھ کر اُن کے مضامین کے ماسٹر بنے ہین اور اس کے بعد پوری کاوش سے ان پر ساڑھے پانچسو صفحون مین اس طرح ریویو کیا ہے کہ اس کے مطالب بالاجمال اور محاسن بالتفصیل ناظرین کے سامنے آشکارا کر دیے ہین۔

قصہ مختصر سرسید کی ساٹھ برس کی جانفشانیون کے کارنامے صفحات کاغذ پر یون نمایان کر دیے ہین جیسے ایک تیز دست مصور میلون مین پھیلے ہوئے معرکہ کی تصویر چند انچ کاغذ پر مشاہدہ کرا دیتا ہے۔"

مولانا نے سرسید کے اہم مضامین کو بھی ایک مجموعہ کی شکل مین طبع کرانا چاہا تھا اور اُس کی تدوین بھی شروع کر دی تھی لیکن سرسید نے اصرار کے ساتھ منع کر دیا اور مولانا نے مجبور ہو کر اس ارادہ کو ترک کیا۔

انھون نے نواب مصطفیٰ خان صاحب شیفتہ کے فارسی دیوان کا مجموعہ مرتب کر کے طبع کرایا۔ اور اُس پر ایک دلچسپ دیباچہ لکھا اور اس طرح اپنے استاد کا حق ادا کیا۔ مولانا کے خطوط کا مجموعہ بھی دو حصون مین حالی بک ڈپو نے شایع کیا ہے جو نہایت

دلچسپ ہے اور اگر غور کیا جائے تو ایسا ہی مجموعہ اصلی لائف اور اصلی سیرت ہوتی ہے

چونکہ مولانا کو فارسی سے فطری مناسبت تھی اور غدر سے پہلے تک دہلی مین جو علمی صحبتین تھین اُن کا بھی یہی مذاق تھا اس لیے مولانا کا مذاق فارسی مین بہت اعلےٰ و ارفع ہو گیا تھا۔ ایک زمانہ مین مختلف اُردو کتابون کے بعض مضامین کا جو انگریزی سے ترجمہ ہوئے تھے انھون نے فارسی مین ترجمہ کیا تھا۔ کبھی کبھی کسی عزیز یا دوست کو فارسی مین خط بھی لکھتے تھے۔ اُنھون نے فارسی مین حکیم ناصر خسرو[۵] کی سوانح عمری لکھی ہے

---

[۵] ناصر خسرو کے مختصر حالات فارسی تذکرون مین موجود تھے۔ لیکن اس کی مفصل سوانح عمری یکجا نہ تھی مولانا نے نہایت کاوش اور تحقیقات سے مکمل سوانح لکھی۔ چنانچہ اسکے متعلق ۱۳ فروری سن۱۹۰۹ء کے ایک خط مین مولوی عبد الرزاق صاحب مصنف البرامکہ کو تحریر فرماتے ہین ناصر خسرو کا سفرنامہ یا اُس کا ترجمہ چھاپنے کی اجازت یا ممانعت کرنے کا مجھے کچھ حق نہین آپ ضرور اس کا ترجمہ چھاپئے مگر اسمین نوٹون کی بہت ضرورت ہوگی امید ہے کہ آپ اس فرض کو بخوبی انجام دینگے۔ مین نے جو اس کے اول مین ناصر خسرو کا حال فارسی مین لکھا ہے اس مین سخت محنت

جسکے ساتھ حکیم موصوف کا سفرنامہ بھی ہے جو ۱۲۸۲ھ میں شائع ہوئی ہے اس کے علاوہ نثر کے اور بھی نمونے ہیں جو زیادہ تر دواوین کی تقاریظ کی صورت میں ہیں

فارسی نظم بھی لکھتے تھے۔ ان نظموں میں ہز مجسٹی امیر حبیب اللہ خان شاہ افغانستان کے ورود کالج کے موقع پر جو قصیدہ مولانا نے لکھا تھا وہ ہر اعتبار سے بے بدل ہے اس میں بھی مولانا کا خاص رنگ موجود ہے اور بیجا مدح سرائی سے احتراز کیا گیا ہے۔

مولانا نے ایک ال نامہ بھی شروع کیا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ ختم نہیں ہوا۔ اس میں کے چند جملے انھوں نے ۱۹۱۰ء میں مولوی عبدالحق صاحب بی اے معتمد انجمن ترقی اردو کو ایک خط میں لکھے تھے جو اس موقع پر دلچسپی کے لیے ہی نہیں بلکہ مولانا کے خیالات پر عبور حاصل کرنے کے لیے درج کیے جاتے ہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۔ اور تلاش مجھ کو کرنی پڑی ہے میں بہت خوشی سے اجازت دیتا ہوں کہ آپکے نزدیک اگر وہ تحقیقات صحیح ہو تو اس کا ترجمہ بھی سفرنامہ کے اول میں چھاپ دیجئے" مولانا نے اس خط میں مولوی عبدالرزاق صاحب کو جو ہدایت کی تھی الحمد للہ کہ اس کے مطابق انھوں نے سفرنامہ کا ترجمہ کیا اور تمام کتاب پر مفصل نوٹ لکھے اور یہ سفرنامہ عنقریب پریس میں جانے والا ہے۔

وہ خود فرماتے ہیں۔

" اس میں ہر فرقہ اور ہر گروہ پر چوٹ ہے اور بہ لطافت پیرایہ میں فیکٹیں
بیان کیۓ گئے ہیں۔

(۱) المذہب، اعلان جنگ (۲) الدین، تقلید آبا و اجداد
(۳) العلم، قسمے از جہل مرکب (۴) الامتحان، آزمائش
لیاقت ممتحنان (۵) الیونیورسٹی، کارخانہ کلرک سازی (۶)
المسلمانان ہند، چون مار گزیدہ از ریسمان ترسندگان (۷) العلیگڈھ
پارٹی، شہید وفا (۸) العلیگڈھ کالج، پرورشگاہ طفلان بدست
مائندران (۹) الانجمن ہائے اسلامیہ، سبزۂ برشگال (۱۰)
الاتفاق در مسلمانان، چون اجتماع در نقیضین (۱۱) الرئیس۔
آنکہ از ریاست بے خبر باشد (۱۲) الامیر۔ آنکہ تہیدست و قرضدار
باشد (۱۳) المولوی، آنکہ مسلمانان را از دائرہ اسلام خارج
مے کردہ باشد (۱۴) الواعظ، آنکہ در تفریق بین المسلمین
خطا نہ کند (۱۵) الشکار، بہانۂ آدم کشی، (۱۶) الکمیشن، وجہ
موجہ برائے فیصلہ یکطرفہ (۱۷) النیشنل کانگرس، درحق تعلیم ہند
چون بغاوت ۱۸۵۷ء درحق اسلحہ اہل ہند

مولنا کو عربی علم ادب کا شوق جہانگیر آباد مین پیدا ہوا اس کی نسبت خود تحریر فرماتے ہین کہ "ادب عربی کسی باقاعدہ استاد سے نہین پڑھا تھا نہ کسی ادیب سے اصلاح لی تھی مگر چونکہ لٹریچر سے فی الجملہ مناسبت تھی لغات کی مدد سے آسان آسان کتابین دیکھنے لگا اور فارسی اُردو کے علاوہ عربی نظم و نثر مین بھی حیناً فحیناً خامہ فرسائی کرتا رہا" اس مطالعہ سے ان کو عربی علم ادب پر بھی کافی قدرت حاصل ہو گئی تھی اور چونکہ مصر و بیروت وغیرہ مین جو نئی کتابین شائع ہوتی تھین اُن کو منگواتے اور دیکھتے رہتے تھے اسلئے ان کا عربی ادب بہت بلند ہو گیا تھا عربی مین شعر بھی کہتے تھے لیکن کم البتہ نثر کا حصہ زیادہ تھا سنہ ۱۸۹۴ء مین "حیات جاوید" کی تصنیف کے ساتھ ہی ساتھ سرسید کے بڑے بڑے کام اور کسی قدر اُن کی زندگی کا حال عربی مین بھی لکھنا شروع کیا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اسباب سے وہ اس کام کی تکمیل نہ کر سکے۔

سنہ ۱۹۱۳ء مین جبکہ اُن کو زندگی کی طرف سے ایک حد تک مایوسی ہو گئی تھی انھون نے اپنے فارسی اور عربی کلام کا مجموعہ پریس مین طبع ہونے کے لئے بھیجا تھا۔

اس شہرت علمی اور قبولیت عام کے علاوہ جو مولانا کو علمی حلقون مین

ہی نہین بلکہ طبقہ عوام مین بھی حاصل تھی سلطنت کی طرف سے بھی انکی عالمانہ قابلیت اور علمی خدمات کی قدر شناسی کی گئی اور سنہ ۱۹۰۴ء مین ان کو ”شمس العلما“ کا خطاب عطا کیا گیا۔

(۶)

ان خدمات قومی کے ساتھ مولینا نے اپنے وطن مین جو تعلیمی خدمات انجام دین وہ بھی نہایت قیمتی ہین اس سے تو کوئی انکار نہین کر سکتا کہ علی العموم قصبات مین شرفا کی آبادی زیادہ ہوتی ہے اور ان کی تباہی و بربادی کے نظارے بھی وہین زیادہ نظر آتے ہین پانی پت کی قدیم عظمت سے قطع نظر کر کے اس وقت بھی وہ ایک مشہور قصبہ ہے جہان زیادہ تر شریف خاندان آباد ہین اور ہمیشہ وہان درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا ہے وہان کے حفاظ تمام ہندوستان مین مشہور ہین لیکن انگریزی تعلیم کا بجز چند گھرون کے چرچا نہ تھا اور اگر ہوتا بھی تو پانی پت سے باہر ابتدائی تعلیم کے مصارف کا تحمل ناممکن تھا مولینا نے اس کمی اور نقصان کو محسوس کر کے اپنی ذاتی سعی و کوشش سے سنہ ۱۹۰۱ء مین ایک مڈل اسکول قائم کرایا اور جب اس کی طرف سے کسی قدر اطمینان ہوا تو باشندون مین علمی مذاق قایم رکھنے کے لئے ایک پبلک لائبریری کی بنیاد ڈالی اور عرصہ تک اس کا اہتمام اپنے ہاتھ

مین رکھا اور بہت نادر اور عمدہ کتابین اسکے لیے فراہم کرتے رہے ۔

جب مڈل اسکول اچھی طرح چلنے لگا تو اس کو ہائی اسکول کے درجہ پر پہنچانے کی کوشش کی چندون کی وصولی اور سرمایہ کی فراہمی کے لئے قرب و جوار کے مقامات کے دورے کئے اب وہ حالی میموریل ہائی اسکول کے نام سے قائم ہے اور ان کے قابل فرزند خواجہ سجاد حسین صاحب کی نگرانی مین کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے ۔

مولانا کو صرف لڑکون کی ہی تعلیم اور حالت پر توجہ نہین تھی بلکہ وہ لڑکیون کی تعلیم کو بھی ضروری جانتے تھے اپنے خاندان کی لڑکیون کو تعلیم دلانے پر اکثر اپنے اعزا کو توجہ دلاتے رہتے تھے لیکن اس طرح جدا جدا ہر گھر مین تعلیم کا انتظام بہت مشکل تھا اس لئے انھون نے سنہ ۱۸۹۵ء مین ایک زنانہ مدرسہ بھی قائم کرایا اور اس کا انتظام و اہتمام اپنے ہاتھ مین رکھا

(۷)

مولانا نے ایک عرصہ تک مختلف امراض مین مبتلا رہ کر کبھی کم اور کبھی زیادہ تکالیف اٹھائین علاج بھی ہوتا رہا لیکن اقتضائے عمر کے ساتھ امراض کے سلسلہ مین اضافہ اور شدت ہی ہوتی رہی اور آخر سنہ ۱۹۱۴ء مین ۹ دن کی سخت تکلیف کے بعد قرآن مجید سنتے

ستنے (۱۳ محرم سنہ ۱۳۳۳ھ ۳۱ دسمبر) کو اونکی روح نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اُنھون نے اس درد والم سے نجات حاصل کی جس نے ۴۰ سال سے اون کے رگ و پے مین سرایت کرلی تھی اور اون کے وجود کو درد کا ایک مجسمہ بنا دیا تھا۔ مرحوم نماز جنازہ کے بعد جس مین شہر کے ہر طبقہ کے مسلمان بہ کثرت شریک تھے پانی پت کی مشہور درگاہ قلندر شاہ مین دفن کیے گئے۔"

حالی کی قبر پر

سید ہاشمی فرید آبادی

اے جسم گرانمایہ و اے روح معزز! یہ مسکن عزلت تجھے کس طرح سے بھایا؟
تو وہ کہ ترا غلغلۂ اسم گرامی اک کشور اعظم کی حدون مین نہ سمایا
اُتّر کی فضا گونج گئی تیری نوا سے دکھن کی ہواؤن نے ترانہ ترا گایا
مہتاب کی مانند ترے فیض کا پرتو ہر سمت گیا پھیل، ہر اک خطے پہ چھایا

کیا چیز تھی اے خاک نشین! تجھ مین کہ جس نے رتبہ ترا افلاک سے رفعت مین بڑھایا؟
ورثے مین ملی تھی نہ کوئی جاہ و امارت کچھ دولت دنیا تھی ترے پاس نہ مایا
ہان درد کہ ہے بلبل غم دیدہ کا حصہ مقسوم مین تھا تیرے دل نرم کے آیا

ہو سکتی نہ تھی ورنہ یہ تاثیر جگر دوز   ہر بول میں ہر راگ میں، جو تو نے سنایا

مانا کہ وہ موضوع بہت درد بھرا تھا   جس پر قلم نوحہ رقم تو نے اٹھایا
مانا کہ لکھے مرثیے اس قوم کے تو نے   گیتی نے ابھی خاک میں تھا جس کو ملایا
وہ نعش، مگر، عالمِ غربت میں پڑی تھی   تھا سوگ میں جس کے کوئی اپنا نہ پرایا
یاد آتے تجھے ایسے کے فضائل نہ محاسن   اس عالمِ ناقدر نے تھا جس کو بھلایا

ہاں تو نے کیا نام کو اسلام کے زندہ   اک عہدِ فراموش کو پھر یاد دلایا
پھر کیا ہے کہ اک ملّتِ خفتہ کو جگا کر   خود موت کی چادر میں جو منہ تو نے چھپایا؟
کیا مشعلِ رہ کی نہیں اب ہم کو ضرورت؟   کیا ہم پہ اب اقبال کا پھر آگیا سایا؟
کیا مرگ تری شمعِ شبستان کا ہے بجھنا؟
کیا میں یہ یقین کر لوں کہ وقتِ سحر آیا؟

بھوپال

زبیری

محمد امین ۔ مارہروی
۲۴؍ اکتوبر ۱۹۲۵ء

اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ

علیگڈہ کے بعد اس صوبہ میں سب سے قدیم اور مشہور اسلامی مدرسہ ہے جہاں تعلیم ذہنی کے ساتھہ مذہبی اور جسمانی تربیت کا بھی بہترین انتظام ہے۔ ہندوستان کے ہر صوبہ کے طلبا یہاں تعلیم پاتے ہیں۔ دارالاقامہ میں متعدد قابل اُستاد اور علماء بچوں کی نگرانی اور تعلیم و تربیت کی غرض سے اُن کے ساتھہ رہتے ہیں۔ مفصل حالات کے لئے دستورالعمل طلب فرمائے۔

محمد الطاف حسین بی اے (علیگ)
ہیڈ ماسٹر

ع۱۱س　　　　　　　　۸۹۱۵۶۳۱۴

ا زمرر (ث)

DUE DATE

R. D. 4/40

26 2/73

Ram Babu Saksena Collection.

۳۲۷۰۹

Raza Baba Sukcons Collection

۸۹۱ع۲۱۴

حالس

(تر۲ز ۳۲۷۰۹

Date	No.	Date	No.
R.D 4/90			